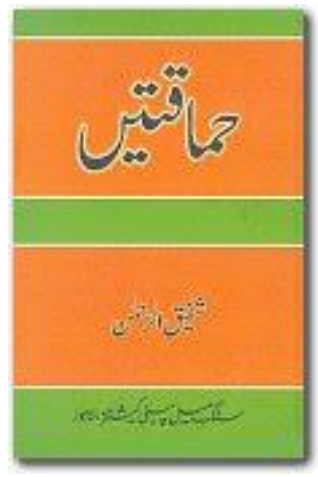
حماقتیں
شفیق الرحمٰن

حماقتیں

شفیق الرحمٰن

۲۰۰۱ء

- نیلی جھیل

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب روفی کے دانت پر بجلی گری۔ روفی (جن کو بعد میں شیطان کا نام ملا) بجلی سے بہت ڈرتے تھے۔ جب بادل آتے تو وہ بستروں میں چھپتے پھرتے۔ سب کہتے کہ اگر بجلی کو گرنا ہے تو ضرور گرے گی۔ روفی جواب دیتے بے شک گرے' لیکن اس طرح کم از کم اسے مجھ کو ڈھونڈنا تو پڑے گا۔ ہوا یوں کہ بارش ابھی ابھی تھمی تھی۔ روفی صوفے کے پیچھے سے نکل کر دبے پاؤں برآمدے تک گئے۔ یہ دیکھنے کو کہ بادل چھنٹ گئے یا نہیں۔ اتنے میں زور سے بجلی کوندی اور ایک عظیم الشان دھماکا ہوا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو ان کا ایک دانت ہل رہا تھا۔ انہوں نے آئینہ دیکھا تو دانت کا کچھ حصہ سیاہ نظر آیا۔ اگلے روز آس پاس مشہور ہو گیا کہ رات روفی میاں کے دانت پر بجلی گری ہے۔ وہ دو دن تک بستر پر پڑے رہے۔ لیکن اس طرح ہم اپنے آنے والے سہ ماہی امتحان سے نہ بچ سکے۔ اس کم بخت امتحان نے ہماری نیند اڑا رکھی تھی۔ ماسٹر صاحب نے ہمارے ساتھ خاص رعایت کی اور ازراہ کرم امتحان چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے۔ یوں تو وہ بیچلر آف آرٹس تھے' لیکن ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ ہیں اور کئی بچوں کے باپ ہیں۔ وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے' آپ کی طرف سے خود جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جو اب غلط تھا ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے

تھے' حالانکہ ان کے پاس تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔ انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا' لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے۔ ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا۔ روفی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ ماسٹر صاحب آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔ ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ نمبر ایک کھلاڑی کون ہے؟ وہ بولے' پتہ نہیں۔

ساری کلاس کا امتحان ہو چکا تھا۔ صرف میں اور روفی رہتے تھے۔ نچلی جماعتوں میں روفی کے چھوٹے بھائی ننھے میاں باقی تھے' کیونکہ اس بجلی کے گرنے کے سلسلے میں بھی بطور تیمار دار شریک تھے۔

میں اور روفی مجرموں کی طرح کمرے میں داخل ہوئے۔ ماسٹر صاحب نے ہمیں بتایا کہ وہ ہمارا فقط زبانی امتحان لیں گے اور بالکل آسان سے سوال پوچھیں گے۔ گھبرانے یا ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

انہوں نے روفی سے پوچھا۔ "تمہیں کس نے بنایا؟"

روفی ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "جناب اتنا تو مجھے خدا نے بنایا تھا اس کے بعد میں خود بڑھا ہوں۔"

"اس وقت تم ایک چھوٹے سے لڑکے ہو' جب بڑے ہو گے تو کیا بنو گے؟"

"میں انسان بنوں گا۔"

"تم نے ایسی عجیب آنکھیں کہاں سے پائیں؟"

"جی' یہ چہرے کے ساتھ ہی آئی ہیں۔"

اب ماسٹر صاحب مجھ سے مخاطب ہوئے۔ "بتاؤ ہاتھی کہاں پائے جاتے ہیں؟"

"جناب ہاتھی اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان کے کھوئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میرا مطلب ہے ہاتھی ملتے کہاں ہیں؟"

"جہاں اور ہاتھی ہوں' وہاں۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ ہاتھیوں کا حافظہ بیحد تیز ہوتا ہے اور وہ کبھی نہیں بھولتے۔"

"جی ہاتھیوں کے پاس یاد رکھنے کے لئے باتیں ہی کون سی ہوتی ہوں گی۔"

URDU4U.COM

"اچھا' لومڑی کی کھال کا کیا فائدہ ہے؟"

"لومڑی کو گرم رکھتی ہے۔"

ماسٹر صاحب کا چہرہ روفی کی طرف پھر گیا۔ "اگر ایک شخص نے ایک الو پندرہ روپے تین آنے ایک پائی میں خریدا اور سات روپے دس آنے ساڑھے گیارہ پائی میں بیچ دیا تو اسے کتنا نقصان ہوا؟"

"جناب میں نے آج تک الو اتنا مہنگا بکتا نہیں دیکھا۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اور تم نے؟"

"میں نے کبھی الو دیکھا ہی نہیں۔" روفی بولے۔

"غضب خدا کا' تو آج تک تم نے الو نہیں دیکھا۔ (چلا کر) میری طرف دیکھو' نیچے کیا دیکھ رہے ہو۔ اچھا میں سوال پھر دہراتا ہوں۔"

ماسٹر صاحب نے سوال دہرایا۔ "بتاؤ کتنا نقصان ہوا؟"

"جی روپوں میں نقصان ہوا اور آنے پائیوں میں نفع۔" روفی بولے۔

"اچھا' آج تم نے جو سب سے عجیب واقعہ دیکھا ہو بیان کرو۔"

"جناب' آج میں نے چند آدمیوں کو ایک گھوڑا بناتے دیکھا۔"

"لکڑی کا گھوڑا؟"

"جی نہیں اصلی گھوڑا' جیتا جاگتا گھوڑا۔ لیکن جب میں نے دیکھا تو وہ تقریباً اسے مکمل کر چکے تھے اور اس کے کھروں میں میخیں ٹھونک رہے تھے۔"

"ثابت کرو کہ قلم تلوار سے اہم ہے۔"

"جناب' تلوار سے چیک پر دستخط نہیں کئے جا سکتے۔"

ماسٹر صاحب کچھ کچھ خفا ہو چلے تھے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور بولے۔ "آسٹریلیا کہاں ہے؟"

جی جغرافیے کے پچاسویں صفحے پر۔"
"جغرافیے میں نہیں' ویسے کہاں ہے؟"
"جناب آسٹریلیا کرہ ارض پر ہے۔"
"تربوز کے فوائد بیان کرو۔"
"تربوز ایک ایسا پھل ہے جسے کھا بھی سکتے ہیں۔ پی بھی سکتے ہیں اور اس سے ہاتھ منہ بھی دھو سکتے ہیں۔"
"اور ناریل؟"
"جی ناریل پر ٹکٹ لگا کر اور پتہ لکھ کر بطور پارسل کے بھیج سکتے ہیں۔"
"اچھا حروف اضافت کیا ہوتے ہیں؟"
"جناب حروف اضافت وہ ہوتے ہیں جو اضافہ کرتے ہیں اور جنہیں پڑھ کر کچھ اور حروف یاد آ جاتے ہیں۔"
"مثلاً"
"مثلاً گھڑی ساز یوں معلوم ہوتا ہے جیسے زمانہ ساز ہو۔ پالتو' فالتو معلوم ہوتا ہے۔ مجرد' مجرب اور طبلہ نواز' بندہ نواز معلوم ہوتا ہے اور۔"
"بس بس" ماسٹر صاحب بالکل خفا ہو گئے۔
اب ننھے میاں کو بلایا گیا۔
"ننھے گنتی گن کر دکھاؤ۔" ماسٹر صاحب بولے۔
"ایک' دو' تین' چار' پانچ' چھ' سات' آٹھ' نو' دس' غلام' بیگم اور بادشاہ۔"
ننھے نے فاتحانہ انداز سے کہا۔
اس میں غریب ننھے کا بھی قصور نہیں تھا۔ ان دنوں گھر میں تاش خوب ہوتی تھی۔
شام کو ماسٹر صاحب ہمارے ہاں آئے۔ روفی کے ابا سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ سوتے وقت ہمیں سنایا گیا کہ ہماری تعلیمی حالت بہت کمزور ہے۔ چنانچہ ماسٹر صاحب ہمیں گھر پر پڑھانے آیا کریں گے۔ اس خبر نے ہمیں اداس کر دیا۔
اگلے روز اتوار تھا۔ علی الصبح ہم نے مچھلیاں پکڑنے کا سامان لیا اور جھیل کا رخ کیا۔

اس ٹیوشن کی نئی مصیبت نے ہمیں غمگین کر دیا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جو رہی سہی آزادی میسر تھی وہ بھی چھن گئی۔

URDU4U.COM

جھیل کے شفاف اور نیلے پانی پر ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔ دور بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوا میں تیر رہے تھے۔ کناروں پر پھولدار بیلیں اور پودے جھکے ہوئے تھے اور بے شمار تتلیاں اڑ رہی تھیں۔ جھیل کے کنارے دور دور تک چلے گئے تھے۔ دوسرا کنار بہت دور تھا اور کبھی کبھار ہی دکھائی دیتا۔ جب بارش تھمی ہو یا دن بالکل صاف ہو تو ہر بار کسی نئی شکل میں دکھائی دیتا۔ کبھی دور دور تک محل اور قلعے دکھائی دیتے۔ کبھی گھنے اور سرسبز باغ اور کبھی ریت کے ٹیلے اور نخلستان نظر آتے۔

ہم ہر اتوار جھیل کے کنارے گزارتے۔ بڑے اہتمام سے مچھلیاں پکڑنے کا پروگرام بنتا۔ مچھلیاں بھوننے کا سامان بھی ہوتا۔ ہمارے مچھلیاں پکڑنے کے طریقے بھی صحیح تھے' لیکن ہم نے کبھی وہاں ایک بھی مچھلی نہیں پکڑی۔ انجینئر صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ اس جھیل میں مچھلیاں بالکل نہیں ہیں۔ جھیل کے پانی میں کوئی خرابی تھی۔ معدنیات کے کچھ ایسے اجزا شامل تھے جن میں مچھلیاں زندہ نہیں رہ سکتی تھیں' لیکن ہمیں اس پر بالکل یقین نہ آیا۔ ایسی خوشنما جھیل میں تو مچھلیاں دور دور سے آ کر رہیں گی۔

ہم اداس ہوتے یا ہمیں دھمکایا جاتا تو ہم سیدھے جھیل کا رخ کرتے۔ بنسیاں پانی میں ڈال کر گھاس اور پھولوں میں بیٹھ جاتے۔ بادشاہوں' پریوں اور بحری ڈاکوؤں کی کہانیاں پڑھتے۔ ذرا سی دیر میں ہم بھول جاتے کہ اس خوبصورت گوشے کے علاوہ دنیا کے اور حصے بھی ہیں جہاں سکول بھی ہیں۔ سکول کا کام ہے' ماسٹر صاحب کی ڈانٹ ہے' گھر والوں کی گھرکیاں ہیں۔

ہم دوسرے کنارے کی باتیں کرتے جسے دیکھنے کا ہمیں بے حد شوق تھا۔ ہم قیاس آرائیاں کرتے کہ وہاں کیا کچھ ہو گا۔ شاید وہاں کسی اور قسم کی دنیا ہو گی۔ کس طرح کے لوگ ہوں گے۔ ہم نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ کہیں سے ایک کشتی لے کر چپکے

سے نکل جائیں اور جھیل کو عبور کرکے دوسری طرف جا پہنچیں' لیکن ہمیں کشتی نہ مل سکی۔ ہمیں تیرنا نہیں آتا تھا۔ کنارے کنارے چل کر دوسری طرف جانا ناممکن تھا' کیونکہ راستے میں کئی رکاوٹیں تھیں۔

URDU4U.COM

جب ہم چاندنی رات میں جھیل کے کنارے بیٹھ کر ایک دوسرے کو پریوں کی کہانیاں سناتے تو جیسے سارے کردار ہماری آنکھوں کے سامنے چلنے پھرنے لگتے۔ چاندنی کچھ یوں بدل جاتی اور دوسرا کنارہ ایسا پر سحر خطہ معلوم ہونے لگتا کہ ہم سچ مچ پریوں کے ملک میں پہنچ جاتے۔

دن میں جب سمندری لٹیروں کی کہانیاں پڑھی جاتیں تو ہمارا لباس بھی لٹیروں جیسا ہوتا۔ سر پر سیاہ رومال باندھے جاتے۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر جھیل میں چھوڑی جاتیں۔ ہوائی بندوقوں اور پٹاخوں سے جھوٹ موٹ کی جنگ ہوتی۔ ایک فرضی جزیرے پر قبضہ کیا جاتا۔ وہاں سے خزانہ برآمد ہوتا۔ جب تیز دھوپ نکلتی' بھنورے گانے گاتے' ہوا رک جاتی اور طرح طرح کی خوشبوئیں فضا میں رچ جاتیں تو ہم آنکھیں بند کئے غنودگی میں رنگ برنگے خواب دیکھتے رہتے۔

اگر وہ جھیل وہاں نہ ہوتی تو نہ جانے ہمارے دن کیونکر گزرتے۔ کیونکہ گھر میں ہر ایک ہم دونوں کا دشمن تھا اور ڈانٹنے پر تلا ہوا تھا۔ ان کا رویہ یہ تھا کہ اگر کچھ کیا ہے تو کیوں کیا ہے اور اگر نہیں کیا تو کیوں نہیں کیا۔ ان دنوں سب کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ ہم دونوں نہایت نالائق ہیں اور بالکل نہیں پڑھتے۔ ابا کا تبادلہ حسب معمول آبادی سے دور کسی ویرانے میں ہوا اور مجھے روفی کے ہاں بھیج دیا گیا۔ گھر سے ہر خط میں تاکید آتی کہ لڑکے کی پڑھائی کا خاص خیال رکھا جائے۔ چنانچہ خاص سے بھی زیادہ خیال رکھا جاتا۔ گیہوں کے ساتھ گھن باقاعدہ پستا اور ننھے میاں کی بھی خوب تواضع ہوتی۔ ننھے میاں سونے سے پہلے بڑے خشوع و خضوع سے دعا مانگتے کہ یا رب العالمین ہمارے کنبے والوں کو نیک ہدایت دے اور انہیں بتا کہ چھوٹے بچوں کے

ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے' کیونکہ اب تک یہ لوگ اس سے بے بہرہ ہیں۔
گھر میں کئی نوکر تھے جن میں سب سے سینئر رستم تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کا تکیہ کلام "رکھی ہے" تھا۔ کوئی پوچھتا "میاں رستم میری عینک کہاں گئی؟" جواب ملتا "جی فرش پر رکھی ہے۔"

"میرے کاغذات یہاں تھے کہاں گئے؟"
"جی ردی کی ٹوکری میں رکھے ہیں۔"
"میرا بٹوہ کہاں گیا؟"
"جی حوض کی تہہ میں رکھا ہے' ننھے میاں پھینک آئے ہیں۔"

اسے ریڈیو کا بے حد شوق تھا۔ جب دیکھو ریڈیو سے کان لگائے سن رہا ہے۔ ایک مرتبہ کھانا کھاتے وقت کسی نے رکابی کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔ "یہ کیا چیز ہے؟" رسم فوراً بولا "بھاگ کا خیال ہے' بلمپت لے میں۔" ویسے اس وقت ریڈیو پر پکا گانا بھی ہو رہا تھا۔

ہمیں باورچی نے بتایا کہ صبح اٹھ کر رستم یوں دعا مانگتا ہے کہ اے خدا اس وقت دن کے سوا چھ بجا چاہتے ہیں۔ اب آپ اردو میں دعا سنئے۔ یہ دعا دوپہر کو ایک بجے اور رات کے نو بجے پھر مانگی جائے گی۔ اس دعا کی خاص خاص سرخیاں یہ ہیں۔ (پھر دعا مانگ چکنے کے بعد) کل پھر میں اسی وقت دعا مانگوں گا۔ اچھا' اب اجازت دیجئے۔ آداب عرض

اور بعض اوقات تو رستم دعا کے بعد خدا کو موسم کا حال بھی بتایا کرتا۔

باورچی بے حد موٹا تھا۔ اتنا کہ تصویر کھینچتے وقت اس کی کئی تصویریں لینی پڑی تھیں تاکہ وہ مکمل آ جائے۔ وہ ہر وقت ہنستا رہتا تھا۔ اکثر اس سے پوچھا جاتا کہ ہنستے کیوں ہو؟ جواب ملتا۔ "جناب شکل ہی ایسی ہے۔"

اس کی گفتگو سن کر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ریڈیو پر دیہاتی پروگرام ہو رہا ہو۔

بعض اوقات وہ جان بوجھ کر بہرہ بن جاتا۔ ہم آوازیں دیتے رہتے اور وہ بالکل نہ سنتا۔

ایک مرتبہ روفی چلاتے رہے اور وہ ساتھ کے کمرے میں چپ چاپ سنتا رہا۔ ہم کھڑکی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ اتنی آوازیں اسے کیوں سنائی نہیں دیں؟ تو بولا "میں نے آپ کی پہلی آوازیں نہیں سنیں' صرف چوتھی آواز سنی تھی۔

ایک مرتبہ ہمارا گھوڑا کھویا گیا۔ سب نے باری باری ڈھونڈا' کسی کو نہ ملا۔ باورچی گیا اور گھوڑے کو پکڑ لایا۔ پوچھا کہ یہ تمہیں کس طرح مل گیا؟ بولا' سب سے پہلے میں نے یہ سوچا کہ اگر میں گھوڑا ہوتا اور کھوئے جانے کی نیت ہوتی تو کہاں جاتا۔ بس میں سیدھا اسی جگہ گیا اور گھوڑا وہیں کھڑا تھا۔

گھر میں بہت سے پالتو جانور اور پرندے تھے۔ ایک طوطا تھا جو روفی کے ابا کے دفتر میں رہتا تھا۔ اسے چند فقرے یاد تھے۔ جب کوئی آتا تو "ہلو" کہتا۔ پھر کہتا' "دروازہ بند کر دیجئے۔" وہ اندر آ جاتا تو اسے روفی کے ابا کے متعلق بتاتا کہ باہر گئے ہوئے ہیں یا گھر میں ہیں۔ جاتے وقت پھر کہتا "دروازہ بند کر دیجئے۔"

ہمیں خاص طور کہا گیا تھا کہ ہم اس طوطے کے ساتھ باتیں کیا کریں اور اسے اچھے اچھے فقرے سکھائیں لیکن ہم کو دیکھ کر نہ جانے اسے کیا ہو جاتا بس وہ ایک فقرے کا جاپ کرنے لگتا۔ "میاں مٹھو ہوں" "میاں مٹھو ہوں" ہم اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔ بولو مٹھو' شاباش' باتیں کرو۔ یہ کہو' وہ کہو۔ نئے نئے فقرے سکھاتے' لیکن اس کی میاں مٹھو ختم نہ ہوتی اور ساتھ ساتھ وہ ہماری طرف اس انداز سے دیکھتا جیسے جواب کا منتظر ہو۔ ہر مرتبہ کچھ اس قسم کی گفتگو ہوتی۔

"ہلو" وہ کہتا۔

"ہلو بھائی طوطے' سناؤ کیا حال ہے؟"

"میاں مٹھو ہوں" بڑے پیار بھرے لہجے میں جواب ملتا۔

"ہاں"

"میاں مٹھو ہوں" چلا کر

"درست کہتے ہو۔"

"میاں مٹھو ہوں؟" اس مرتبہ لہجہ سوالیہ ہوتا۔

"ہو گے!"

"میاں مٹھو ہوں" بڑی حیران کے ساتھ۔

"تو پھر کیا کریں؟"

"میاں مٹھو ہوں۔ میاں مٹھو ہوں۔" غصے میں

"مان لیا بابا' مان لیا' عجب نا معقول طوطا ہے۔"

"میاں مٹھو ہوں' میاں مٹھو ہوں' میاں..."

اور ہم وہاں سے چلے آتے۔

کچھ سفید رنگ کی موٹی ایرانی بلیاں بھی تھیں جو اس قدر مغرور تھیں کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھیں۔ البتہ ایک چھوٹی سی بلی بڑی ذہین اور سمجھدار تھی۔ وہ صبح صبح ہمیں جگانے آتی۔ چپکے سے پلنگ پر چڑھ کر پاؤں میں ہلکی سی گدگدی کرتی۔ جگا کر ایک کونے میں انتظار کرتی کہ کہیں ہم دوبارہ نہ سو جائیں۔

بڑے کمرے میں کچھ قالین تھے' اتنے خوبصورت کہ انہیں فرش پر دیکھ کر ہمیں بڑا افسوس ہوتا۔ وسط میں جو بڑا قالین تھا اس کا کچھ حصہ جل گیا تھا' اس طرح کہ وہاں پر نہ صوفہ رکھا جا سکتا تھا نہ کوئی میز۔ جب کبھی مہمان آتے تو وہی عقل مند بلی اس جلے ہوئے حصے پر بٹھا دی جاتی۔ وہ کچھ اس انداز سے وہاں بیٹھتی جیسے اسے کسی کی بھی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ اسے لاکھ بلاتے' بہلاتے پھسلاتے' پیار کرتے لیکن وہ وہاں سے تب تک نہ ہلتی جب تک وہ سب چلے نہ جاتے۔ باہر والوں میں سے کسی کو پتہ تک نہ تھا کہ ہمارا خوبصورت قالین جلا ہوا ہے۔

ان دنوں روفی اور میں اوپر کے کمرے میں رہتے تھے کیونکہ روفی کا خیال تھا کہ سطح سمندر سے زیادہ بلندی کی وجہ سے اس کے آب و ہوا بہتر ہے۔

ٹیوشن شروع ہو گئی۔ دن بھر سکول میں رہتے۔ شام کو ماسٹر صاحب تشریف لاتے جو

"انہیں کیا ہوا؟"

"انہوں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"اچھا"

"بھئی یہ اکیلے ہی اکیلے باتیں ہو رہی ہیں۔ ہمیں بھی بتاؤ۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"جی' امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"افوہ' بڑا افسوس ہوا۔ کون تھے وہ؟"

"جی بادشاہ تھے۔"

"کہاں کے؟"

"افغانستان کے۔"

"اچھا"

میرے داہنے ہاتھ بیٹھے ہوئے صاحب یکلخت اچھل پڑے۔ "کیا کسی نے تخت چھوڑ دیا۔"

"جی ہاں"

"کس نے؟"

"امان اللہ خان نے۔"

"اوہ' امان اللہ خاں نے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی' پھر سامنے کے صوفے پر ایک صاحب ہڑبڑا کر اٹھے۔ "یہ کوئی کسی کے کچھ چھوڑ دینے کا ذکر کر رہا تھا۔ کیا ہوا؟"

"جی' امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"ارے"

غرضیکہ اسی طرح باری باری ہر شخص نے پوچھا کہ کیا ہوا اور مجھے کوئی پچاس مرتبہ بتانا پڑا کہ امان اللہ خان نے تخت چھوڑ دیا۔ ہم نہایت بیزار ہو کر واپس لوٹے۔ گھر میں سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جھیل کی باتیں شروع ہو گئیں۔ مچھلیوں کے متعلق ان کے شبہات بدستور موجود تھے۔ ہم نے بڑے وثوق سے کہا کہ وہاں بڑی بڑی مچھلیاں ہیں۔ ہم اکثر پکڑتے رہے ہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ انہیں بھونا بھی ہے۔ بولے "اچھا اس مرتبہ پکڑو تو گھر لانا' ہم بھی چکھیں گے۔"

اگلے اتوار کو ہم صبح سے شام تک پانی میں بنسیاں ڈالے بیٹھے رہے۔ لیکن کچھ نہ ملا۔ واپسی پر بازار میں مچھلی والے سے بڑی بڑی مچھلیاں خریدی گئیں اور باورچی کے حوالے کی گئیں۔ اتفاق سے اس شام کو سب کہیں مدعو تھے۔ گھر میں صرف میں اور روفی تھے اور ایک بزرگ جو ننھے میاں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا کرتے۔ رات کے وقت بزرگ کو اچھی طرح دکھائی نہ دیتا تھا۔ ننھے میاں پہلے تو دستر خوان پر بیٹھتے پھر چپکے سے اٹھ جاتے۔ ادھر بلیاں قطار باندھے کیو لگائے منتظر ہوتیں اور بڑے اطمینان سے ساتھ آ بیٹھتیں۔ وہ یہی سمجھتے کہ ننھے میاں ساتھ بیٹھے ہیں' چنانچہ وہ بار بار بلیوں سے کہتے۔ برخوردار بھوکے مت رہنا۔ چیزیں اٹھا اٹھا ان کے سامنے رکھتے۔ یہ چکھو برخوردار۔ یہ بھی کھاؤ برخوردار۔ ادھر بلیاں بڑے سکون سے کھاتیں۔

چنانچہ ہماری خریدی ہوئی مچھلیاں اس رات بلیوں نے کھائیں۔ اگلی مرتبہ ہم جھیل پر گئے اور واپس آتے وقت مچھلیاں خرید کر لائے تو نہ جانے کس کے مشورے سے مچھلیاں ڈاکٹر صاحب کے ہاں بھیج دی گئیں۔ اس سے اگلی مرتبہ انجینئر صاحب کے ہاں۔ پھر ایک روز کیا ہوا کہ سب کے سامنے مچھلی والا حساب لے کر آ گیا۔ ہمارا جیب خرچ ختم ہو چکا تھا اور مچھلیاں ادھار آ رہی تھیں۔ سب کو پتہ چل گیا۔ ہمارا خوب مذاق اڑا۔ ہمیں ہدایت کی گئی کہ آئندہ جھیل پر نہ جایا کریں۔ ہم وہاں محض وقت ضائع کرنے جاتے ہیں۔ جب وہاں مچھلیاں ہیں ہی نہیں تو جانا بالکل بے سود ہے۔

ہم سکول کا کام کر رہے تھے۔ رستم ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ ہمارے دل میں بار بار یہی خیال آتا تھا کہ وہاں جانے بے سود کیوں ہے۔ رستم کہہ رہا تھا۔ لڑکو جب تم بڑے ہو جاؤ گے تب تمہیں معلوم ہو گا کہ دنیا میں جس کام سے کسی فائدے کی امید نہیں ہے وہ بے سود ہے۔ دنیا میں لوگ صرف وہی کام کرتے ہیں جس میں نفع ہو۔ صرف ان لوگوں سے ملتے ہیں جو فائدہ پہنچا سکیں۔ صرف وہ باتیں سوچتے ہیں جو سود مند ہوں۔ باقی کے سب کام' سب انسان اور سب باتیں بیکار ہیں۔

اگلے اتوار کو سب کہیں باہر جا رہے تھے ہمیں حکم ملا کہ ہم دن بھر گھر کی رکھوالی کریں گے۔ چھوٹے ننھے' ننھے میاں' ٹیلیفون اور ملاقاتیوں کا خیال رکھیں گے اور ماسٹر صاحب نے ہمیں گھوڑے پر جواب مضمون لکھنے کو کہا تھا۔

URDU4U.COM

میں اور روفی کمرے میں کاپیاں لیے بیٹھے تھے۔ ایک کونے میں ننھا کھیل رہا تھا۔ ننھے میاں پڑوس کے بچوں کے ساتھ تھے۔ رستم پوچھنے لگا۔ "کیا لکھ رہے ہو؟" ہم نے بتایا "گھوڑے پر جواب مضمون۔" وہ بولا "یوں بھی کبھی مضمون لکھے گئے ہیں۔ سوال مضمون ہو یا جواب مضمون' جس چیز پر لکھنا ہو اسے دیکھ کر لکھو۔ میں ابھی گھوڑا لاتا ہوں۔" وہ گھوڑا لے آیا۔ "اب اس پر سوار ہو کر لکھو۔ تمہیں گھوڑے پر' جواب مضمون لکھنا ہے۔"

وہ گھوڑا بہت اونچا تھا۔ ہم زینے پر کھڑے ہو گئے۔ رستم گھوڑے کو کھینچ کر دیوار کے ساتھ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بڑی مشکل سے گھوڑا نزدیک آیا' ابھی روفی نے اپنا پاؤں اس پر رکھا ہی تھا کہ وہ آگے چل دیا۔ کئی مرتبہ اسی طرح ہوا۔ آخر طے ہوا کہ گھوڑے پر سیڑھی لگا کر چڑھا جائے۔ رستم بولا۔ اگر تم دونوں نے اس گھوڑے پر چڑھ کر مضمون لکھا تو دونوں کا مضمون ایک سا ہو گا۔ میں ایک اور گھوڑا لاتا ہوں۔ ہم نے کہا۔ نہیں یہی کافی ہے۔ بمشکل روفی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ وہ اس وقت ڈرے ہوئے تھے کہ رستم کو بھی ساتھ بیٹھنا پڑا۔ میں نے انکار کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے گھوڑا بدک کر سرپٹ بھاگا۔ رستم نے چار یا پانچ نہایت اعلیٰ درجے کی نفیس قلابازیاں کھائیں اور روفی نے کسی کہنہ مشق نٹ کی طرح تماشا دکھایا۔

کپڑے جھاڑتے ہوئے روفی رستم سے بولے۔ "گھوڑے پر ان دونوں سواریوں کا شکریہ"

"دو سواریاں کیسی؟"

"میری پہلی اور آخری سواری۔"

باورچی کو کہا گیا تھا کہ وہ ننھے کا خیال رکھے۔ چنانچہ وہ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد

باورچی خانے کی کھڑکی سے سر نکال کر ننھے کی طرف دیکھے بغیر چلاتا تھا۔ "ننھے یوں مت کرو۔" "خبردار ننھے جو یہ کیا ہے تو!"

پھر یکایک ننھے کے رونے کی آواز آئی۔ ہم بھاگے بھاگے پہنچے۔ "ننھے کو چوٹ کیونکر لگی؟" ہم نے باورچی سے پوچھا۔

"وہ سامنے سیڑھیاں دیکھیں آپ نے؟"

"ہاں"

"بس وہ ننھے نے نہیں دیکھیں۔"

ہم نے اسے چپ کرانے کے لئے بہتیرے جتن کئے۔ آخر رستم نے مشورہ دیا کہ اسے گائے کا دودھ پلایا جائے۔ باورچی دودھ لایا۔ ہم نے اس سے پوچھا۔ "یہ تازہ تو ہے نا؟"

"تازہ؟ چند گھنٹے پہلے یہ سبز گھاس تھا۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

ننھے نے چکھا لیکن پینے سے انکار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ دودھ پھیکا تھا۔ باورچی سے شکر ملانے کو کہا گیا۔ اس نے گھر چھان مارا' لیکن شکر نہ ملی۔ رستم نے کہا۔ "ابھی صبح پانچ سیر شکر آئی تھی۔ باورچی خانے میں میں نے خود دیکھی ہے۔"

باورچی مسکرایا اور بولا "افوہ! مجھے یاد آیا۔"

اندر گیا' کچھ دیر میں خالی ہاتھ لوٹا۔ "ہاں تو نہیں ملی۔"

"تو پھر کہاں گئی؟"

"کسی کتے بلی نے کھا لی ہو گی۔" وہ بولا

اندر جا کر دیکھتے ہیں تو بالکل چھوٹا سا کتا خواب خرگوش سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اسے جگانے سے پہلے میں نے پوچھا۔ "کیا کتے شکر کھاتے ہیں؟"

"اور کتوں کا تو پتہ نہیں' یہ کتا بے حد چٹورا ہے۔ میٹھی چیز تو یہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ ضرور اسی نے شکر کھائی ہے۔ اسے تول کر دیکھ لیجئے۔"

کتے کو جگایا گیا۔ ترازو منگائی گئی۔ اسے تولا گیا۔ وہ پورا پانچ سیر تھا۔

"شکر کا وزن تو پورا ہو گیا۔" روفی نے باورچی سے پوچھا۔ "اب کتا کہاں گیا؟"
باورچی سے جب کئی اور سوال پوچھے گے تو وہ بولا "میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں جتنا کہ دکھائی دیتا ہوں۔"

URDU4U.COM

"کاش کہ تم ہوتے۔" رستم نے کہا۔

اتنے میں ننھے میاں آ گئے۔ ننھے میاں خود ساڑھے چار سال کے تھے اور چھوٹے ننھے سے دو سال بڑے تھے۔ ہم نے ان کی خوشامد کی کہ چھوٹے ننھے کی ساتھ کھیلو۔ انہوں نے بڑی حقارت سے ننھے کی طرف دیکھا اور بولے۔ "اس کے ساتھ؟ اونہہ' یہ تو بچہ ہے۔"

ننھا خوب رو رہا تھا۔ آخر ہم نے تنگ آ کر ریڈیو لگا دیا اور اسے اتنا بلند کر دیا کہ ننھے کی آواز دب کر رہ گئی۔ دفتر سے اس طوطے کو نکال کر ریڈیو کے سامنے بٹھا دیا۔ سیاہی سے ننھے میاں کی داڑھی اور مونچھیں بنای گئیں۔ بلیوں کے منہ پر پاؤڈر' سرخی اور لپ اسٹک لگائی گئی۔ کتے کے گلے میں سفید کالر اور نہایت بڑھیا ٹائی باندھی گئی۔ سر پر ہیٹ اڑھایا گیا۔ گھوڑے کے سر پر کلاہ رکھ کر صافہ باندھا گیا۔

فون آیا۔ روفی نے ریسیور اٹھایا اور ننھے کے منہ کے سامنے کر دیا۔ ننھا خوب مزے لے لے کر رو رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد پھر فون آیا۔ روفی نے پوچھا۔ "کون صاحب بول رہے ہیں؟"
آواز آئی۔ "انعام علی' اکرام علی' الہام علی اینڈ کمپنی۔"

"اوہ' آداب عرض' آداب عرض اور آداب عرض" اور ریسیور رکھ دیا۔

گھر میں خوب اودھم مچایا گیا۔ صندوقوں اور الماریوں کی تلاشی لی گئی۔ بندوق نکال کر چلائی گئی' دو گھڑے پھوٹ گئے۔ پھر فون کیا گیا۔

"کون سا نمبر چاہیے؟" آپریٹر نے پوچھا۔

"کوئی سا نمبر دے دیجئے۔" روفی بولے۔

"آپ بتایئے۔"

"آپ خود کوئی اچھا سا نمبر دے دیجئے۔"

"نہیں آپ"

"واللہ آپ"

"آپ بتاتے ہیں یا نہیں؟"

"روفی نے ڈائل پر لکھا ہوا نمبر پڑھا۔ "مجھے یہ نمبر چاہیے۔"

"یہ تو آپ کا نمبر ہے۔"

URDU4U.COM

"تو پھر میں اپنے آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

جب شام کو سب آئے تو ہم بڑی سنجیدگی سے سوال نکال رہے تھے۔ ننھا رونے کے شغل سے تنگ آ کر سو چکا تھا۔ ننھے میاں کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کہاں ہیں؟ کچھ دیر میں وہ سب کے سامنے سے گزرے۔ وہ کچھ چیزیں چرائے لئے جا رہے تھے' منہ سفید کریم سے لپا ہوا تھا۔ انہیں پکڑا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے وینشنگ کریم (Vanishing Cream) لگائی ہے۔ اور آپ کا خیال ہے کہ آپ سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں اور آپ کو چوری کرتے ہوئے کوئی نہیں دیکھ رہا۔

صبح صبح باہر آہٹ ہوئی۔ ہم نے پوچھا کون ہے۔ باورچی تھا۔ "مجھے چھ بجے جگا دینا۔" روفی بولے۔

"چھ تو بج گئے۔" اس نے بتایا۔

"تو مجھے جگا دو۔"

ہم باہر نکلے' چپکے سے گائے کا موٹا تازہ اور بیل نما بچھڑا کھولا۔ اس پر زین کسی گئی۔ ایک سینگ پر سائیکل کا لیمپ لگایا گیا۔ دوسرے پر ہارن اور گھنٹی فٹ کئے گئے۔ ہم دونوں سوار ہو کر سیر کے لئے نکلے۔ روفی نے دونوں سینگ یوں پکڑے تھے جیسے موٹر چلا رہے ہوں۔ لیمپ روشن تھا۔ ہم ہارن بھی بجاتے تھے اور گھنٹی بھی۔

ماسٹر صاحب بالکل ہمارے پڑوس میں رہتے تھے۔ انہوں نے مرغیاں' بطخیں' خرگوش اور نہ جانے کیا کیا الا بلا پال رکھی تھی۔ راستے میں طے ہوا کہ آج دوپہر کو چھت پر چڑھ کر آئینے کی مدد سے ان کے پرندوں اور جانوروں پر سورج کی شعاعیں پھینکی جائیں۔

دوپہر کو روفی اندر سے ایک بڑا آئینہ اٹھا لائے۔ ہم نے شعاعیں پھینکیں۔ مرغیاں اور بطخیں اڑ کر سڑک پر چلی گئیں۔ کچھ ہمارے ہاں آ گئیں۔ خرگوش اندر جا چھپے۔ اور پھر روفی کے ہاتھ سے جو آئینہ پھسلا ہے تو چور چورہو گیا۔ ہم نے رستم کو بتایا' وہ بولا' غضب ہو گیا۔ یہ آئینہ تو بہت پرانا ہے۔ کئی نسلوں سے آپ کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ ہم بہت ڈرے۔ وہ بولا "اچھا میں موقع پا کر صاحب سے کہہ دوں گا کہ وہ آئینہ جو نسلا بعد نسلا آپ کے ہاں چلا آتا تھا۔"

"ہاں ہاں اسے کیا ہو گیا؟" ہم نے بے صبری سے پوچھا۔

"اسے اس نسل نے توڑ دیا ہے۔"

ہم منتیں کرنے لگے کہ کسی کو مت بتانا۔ ہم دوسرا خرید لائیں گے' بالکل ایسا ہی۔ مصیبت یہ تھی کہ ہم ان دنوں مفلس تھا۔ میری سائیکل میں اتنے پنکچر لگے ہوئے تھے کہ سائیکل والا عاجز آ چکا تھا۔ آخری مرتبہ جب میں اور پنکچر لگوانے گیا تو اس نے مجھے ٹیوب دکھائی۔ پنکچروں پر پنکچر اور ان پر اور پنکچر لگے ہوئے تھے۔ وہ بولا "اب میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ اس ٹیوب پر ایک نئی ٹیوب چڑھا دوں' بس۔"

ادھر روفی کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ ہم نے رستم سے ادھار کے لئے کہا۔ وہ بولا "مجھے تو پڑوسیوں نے کنگال کر رکھا ہے۔ سب کچھ ادھار لے جاتے ہیں۔ بعض اوقات جو چیزیں میں خود ادھار لاتا ہوں وہ انہیں بھی ادھار لے جاتے ہیں۔ بعض اوقات جو چیزیں میں خود ادھار لاتا ہوں وہ انہیں بھی ادھار لے جاتے ہیں۔ میری تنخواہ' میرے برتن' کپڑے' صندوق' سب کچھ ان کے ہاں رہتا ہے۔ ان کے ہاں میری اتنی چیزیں ہیں کہ اپنے گھر کے مقابلے میں ان کے ہاں میرا زیادہ جی لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ میرے مصنوعی دانت اور عینک بھی ادھار لے گئے تھے۔"

ہم بڑے گھبرائے۔ آخر طے ہوا کہ باورچی سے روپے مانگے جائیں اور مانگتے وقت اسے باورچی نہ کہا جائے بلکہ خانساماں کہا جائے۔ مشکلوں سے اس نے وعدہ کیا کہ وہ کسی سے ادھار لے کر ہمیں کل روپے دے گا اور ہم اسے گیارہ بجے بڑے بازار میں ملیں۔

ہم سکول سے بھاگ کر بازار پہنچے۔ دیر تک انتظار کرنے پر بھی وہ ہمیں نہ ملا۔ ادھر یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں کوئی ہمیں بازار میں دیکھ نہ لے۔ آخر ہم ایک دکان میں جا گھسے اور یونہی قیمتیں پوچھنے لگے۔

URDU4U.COM

روفی نے ایک مفلر کی قیمت پوچھی۔ دکاندار بولا "پچاس روپے"

"لاحول ولا قوہ اور اس قلم کی کیا قیمت ہے؟"

"دو لاحول ولا قوتیں"

"یعنی"

"یعنی سو روپے"

"اچھا کوٹوں کا کپڑا تو دکھا دیجئے۔"

ہم کپڑوں کو بھی دیکھ رہے تھے اور سڑک کی طرف بھی۔ تھوڑی سی دیر میں ہم نے سارے تھان الٹ پلٹ کر رکھ دیئے۔ یہ دکاندار بولا۔ "تو کون سا کپڑا پسند آیا آپ کو؟"

"جناب معاف فرمایئے۔ ہمیں کپڑا نہیں خریدنا تھا۔ دراصل ہم اپنے باورچی کی تلاش میں ہیں۔"

"تو اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ کا باورچی ان دو باقی ماندہ تھانوں میں لپٹا ہوا ہے تو میں وہ بھی دکھائے دیتا ہوں۔"

وہ بقیہ تھان لینے مڑا اور ہم وہاں سے بھاگے۔

آخر ہمیں باورچی مل ہی گیا۔

"اتنی دیر لگا دی؟ پتہ بھی ہے اب کیا بجا ہے؟" ہم نے اس سے شکایتاً کہا۔

"میں مختلف آدمیوں سے وقت پوچھتا رہا ہوں۔" کوئی کچھ بتاتا ہے کوئی کچھ"

"وہ سامنے دیکھو۔" ایک کلاک میں پورے بارہ بجے ہوئے تھے۔"

"ارے" وہ چونک پڑا "یہ کلاک کی دوسری سوئی کہاں گئی؟"

ہم نے بالکل ویسا ہی آئینہ خریدا۔ واپسی پر اس نے بتایا۔ "میں ڈاک لانے کا بہانہ کرکے

آیا ہوں۔ اس لئے ڈاک خانے ہو کر چلیں گے۔" اور ہم راستے بھر ڈرتے آئے کہ کہیں کوئی ہمیں اور آئینے کو دیکھ نہ لے۔

URDU4U.COM

"کوئی ڈاک تھی؟" اس سے پوچھا گیا۔

"ڈاک تو نہیں تھی' فقط ایک خط تھا۔" وہ بولا

آئینہ رستم کو دکھایا گیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس کے سامنے وہی آئینہ دو مرتبہ پہلے بھی ٹوٹ چکا ہے۔ دونوں مرتبہ نیا خریدا گیا۔ لیکن شکر ہے کہ وہ آئینہ جو نسلاً بعد نسلا چلا آ رہا تھا بالکل صحیح سلامت ہے۔

رات کو ہم نے دیکھا کہ روفی کے ابا دفتر میں کام کر رہے ہیں۔ ان کے ڈیپارٹمنٹل امتحان ہو رہے تھے۔ روفی اندر گئے۔ سلام کیا اور پوچھا۔ "سنایئے ابا جان پرچے کیسے ہو رہے ہیں؟"

"اچھے ہو رہے ہیں' شکریہ"

"امتحان مشکل تو نہیں لگ رہا؟"

"نہیں' آسان ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"پھر بھی آپ اتنی محنت نہ کیا کریں۔ اتنی دیر تک جاگا بھی مت کریں' ورنہ صحت پر برا اثر پڑے گا اور اپنی عینک سنبھال کر رکھا کریں۔ نوکر اکثر لگا لیتے ہیں۔"

روفی کے ابا کی عینک کچھ ایسی تھی کہ جو اسے لگاتا چند قدم چل کر دھڑام سے گرتا۔ ہم نے کئی مرتبہ تجربہ کیا تھا۔

روفی کے ہاں ان کے کئی رشتہ دار ملنے آئے جن کے ساتھ بے شمار بچے تھے۔ نہایت شوخ اور شریر قسم کے بچے۔

روفی کی امی نے ننھے میاں سے کہا۔ "ننھے دادی جان کو پیار کرو۔"

"امی' میرا قصور؟" انہوں نے ٹھنک کر پوچھا۔

"اچھا انہیں اپنا سبق پڑھ کر سناؤ' یا چلو کوئی ضرب المثل ہی سنا دو۔"

"کل کا کام آج پر مت چھوڑو۔" ننھے میاں سینہ تان کر بولے۔

"غلط ہے' سوچ کر پھر بتاؤ۔" ان کی امی نے ڈانٹا۔

"آج کا کام پرسوں پر مت چھوڑو۔"

"چلو رہنے دو۔" ان کی دادی جان بولیں۔ "اچھا یہ بتاؤ تم صبح کتنے بجے جاگتے ہو؟"

URDU4U.COM

"جب سب جاگتے ہیں۔"

"بچوں کو تو مرغ کی اذان کے ساتھ اٹھنا چاہیے۔"

"جی ہمارے ہاں مرغ ہیں ہی نہیں۔"

"تو سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اٹھنا چاہیے۔"

"جس کمرے میں ہم سوتے ہیں اس کا رخ مغرب کی طرف ہے۔"

ادھر بچوں نے ہمیں پریشان کر دیا۔ ایک پوچھتا تھا۔ بھائی جان' چڑیا گھر کو چڑیا گھر کیوں کہتے ہیں؟ دوسرا یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ چیتے اور شیر وغیرہ سرکس سے پہلے کیا کیا کرتے تھے؟ ایک کا غبارہ اڑ گیا۔ وہ یہ دریافت فرما رہے تھے کہ کشش ثقل نے غبارے کو روکا کیوں نہیں۔ کشش ثقل سے ان کا اعتبار اٹھ چلا تھا۔

ایک بچے نے بتایا کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس کا نصف چہرہ بالکل سیاہ تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" روفی نے پوچھا۔

"اس کا بقیہ نصف چہرہ بھی سیاہ تھا۔"

دوسرا بولا "ہمارے ماسٹر صاحب بارش میں چھتری استعمال نہیں کرتے۔"

"تو پھر کیا کرتے ہیں؟"

"بس بھیگ جاتے ہیں۔"

"تیسرا بھاگا بھاگا آیا۔" امی جان نے باغ میں خرگوش کو دیکھا ہے۔"

"وہم ہو گا۔"

"اچھا تو کیا وہم کی ایک سفید دم اور دو لمبے لمبے کان ہوتے ہیں؟"

ہم تنگ آ گئے۔ عجب گستاخ اور ہونق بچوں سے واسطہ پڑا تھا۔ آخر روفی اور میں اٹھے۔

"کہاں جا رہے ہو؟" کسی نے پوچھا۔

"باغ میں' پھل توڑنے۔"
"لیکن پھل تو ابھی کچے ہیں' کل ہی تو دیکھے تھے۔"
"شاید کچھ پک گئے ہوں۔"
"بیٹھے رہو' پھر کبھی دیکھ لینا۔"
اور ہمیں بیٹھنا پڑا۔
ایک بزرگ فرما رہے تھے۔ "جب میں چھوٹا سا تھا تو اس قدر نحیف تھا' اتنا کمزور تھا کہ میرا کل وزن چار پونڈ تھا۔ مجھے دنیا کی بیماریوں نے گھیرے رکھا۔"
"تو کیا آپ زندہ رہے تھے؟" ایک ننھے نے دریافت کیا۔
ایک خاتون فرما رہی تھیں۔ "اس وقت اپنے ملک میں ہم جاگ رہے ہیں' لیکن امریکہ کے بعض حصوں میں لوگ سو رہے ہوں گے۔"
"ست الوجود کہیں کے۔" ایک اور ننھے نے بات کاٹی۔
"آئس کریم جلدی سے کھا لو' ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔" ایک طرف سے آواز آئی۔
"یہ کافی تو جلی ہوئی ہے۔"
دادی جان ننھے میاں سے پوچھ رہی تھیں۔ "کیوں ننھے یہ سڑک کہاں جاتی ہے؟"
"جی جاتی واتی تو کہیں نہیں' ہر صبح مجھے یہیں ملتی ہے۔ اگر رات کو کہیں چلی جاتی ہو تو پتہ نہیں۔"
"مگر یہ وہی سڑک تو ہے جو جرنیلی سڑک سے جا ملتی ہے اور پشاور جاتی ہے۔"
"تو پشاور سے واپس کون سی سڑک آتی ہے؟" ایک ننھے نے پوچھا۔
"ہمارے ماسٹر صاحب کی سالگرہ ہے۔ انہیں کیا تحفہ دیا جائے؟" آواز آئی۔
"ایک کتاب دے دو۔"
"مگر ان کے پاس ایک کتاب ہے۔"
دادی جان نے پھر ننھے سے سوال کیا۔ "وہ جو سامنے جانور چر رہے ہیں کتنے ہیں؟"
"بائیس" کچھ دیر کے بعد جواب ملا۔

"شاباش! اتنی جلدی تم نے کیونکر گن لیے؟"

"بالکل آسان ہے' پہلے جانوروں کی ٹانگیں گن لیں۔ پھر چار پر تقسیم کر دیا۔"

ایک صاحب جو غالباً شکاری تھے اپنی آپ بیتی سنا رہے تھے کہ کس طرح وہ جنگل میں چھپتے پھر رہے تھے اور ایک شیر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ بچے طرح طرح کے سوال پوچھ رہا تھے۔ شیر کا رنگ کیسا تھا؟ آپ کی شیر سے دشمنی تھی کیا؟ شیر موٹا تھا یا دبلا؟ آپ نے شیر کی کمر پر لٹھ کیوں نہیں مارا؟ کیا آپ ڈرپوک تھے جو شیر سے ڈر رہے تھے؟ وہ تھوڑی سی بات کرتے اور سب بچے چلا کر پوچھتے' پھر کیا ہوا؟ اور ساتھ ہی بے تکے سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی۔ وہ بالکل تنگ آ چکے تھے۔ ایک مرتبہ بچوں نے پھر پوچھا کہ پھر کیا ہوا؟

"پھر کیا ہونا تھا۔" وہ اپنے بال نوچ کر بولے "پھر شیر نے مجھے کھا لیا۔"

اور بچوں نے تالیاں بجائیں۔ ہپ ہپ ہرا کیا۔ ایک ننھا اپنا ڈھول اٹھا لایا اور ساتھ ہی لکڑی کا نصف گھوڑا جسے آری سے کاٹا گیا تھا گھوڑے کا نام لوئی ساڑھے تین تھا۔ انہوں نے وجہ بتائی کہ پہلے انہوں نے اسے کسی دوست کے ساتھ مل کر خریدا تھا۔ تب اس کا نام لوئی ہفتم تھا۔ دونوں دوستوں کی لڑائی ہوئی تو گھوڑے کو آری سے آدھا آدھا تقسیم کیا گیا۔ چنانچہ اس کا نام لوئی ساڑھے تین رکھ دیا گیا۔

ہم پھر اٹھے۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"جی باغ میں' شاید اب پھل کچھ پک گئے ہوں۔"

لیکن ہمیں پھر بٹھا لیا گیا۔ دوسرے کمرے سے ایک بچے نے صدائے احتجاج بلند کی اور نعرہ لگایا۔ ہم بھاگ کر پہنچے تو دیکھا کہ دو بچے لڑ رہے ہیں۔ بڑا چھوٹے کی خوب تواضع کر رہا تھا۔ مشکل سے دونوں کو علیحدہ کیا۔ دادی جان کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ لڑائی کی تفصیل بیان کی جا رہی تھی۔ چھوٹا بچہ ڈینگیں مار رہا تھا کہ میں نے یہ کیا' میں نے وہ کیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں نے اس کو پکڑ کر اپنے اوپر گرا لیا اور اپنی

ناک اس کے دانتوں میں دے دی۔ پھر میں نے اس کی کہنی اپنی پسلیوں میں چبھو دی۔ اور دھڑام سے اس کا مکا اپنی کمر میں رسید کیا۔ پھر زور سے اس کا تھپڑ اپنے منہ پر مارا۔ پھر میں نے جو اس کی ٹھوکر اپنے گھٹنے میں لگائی ہے تو بس۔"

ہم پھل توڑنے کے بہانے سے بمشکل وہاں سے نکل سکے۔ باغ میں روفی اور میں دیر تک سوچتے رہے کہ دنیا میں کیسے کیسے نامعقول اور بیہودہ بچے بستے ہیں۔

روفی نے کمرے کے دروازے پر اندر کی طرف "خوش آمدید" لگایا تھا۔ اس طرح کہ جو شخص کمرے میں بیٹھا ہو' اسے یہ ہر وقت نظر آتا رہے۔ یہ ماسٹر صاحب کے لئے تھا۔

روفی کے لئے نئی رضائی تیار ہوئی تھی۔ انہیں رضائی کے نقش و نگار بیحد پسند تھے' اس لئے انہیں دیکھ کر روفی کو مغل آرٹ یاد آ جاتا تھا۔ ابھی اچھی خاصی گرمیاں تھیں' لیکن رات کو وہ پنکھا چلا کر رضائی اوڑھتے تھے۔

ایک اور امتحان آ رہا تھا۔ ہمیں زائد کام کرنے کو کہا گیا۔ رستم پوچھنے لگا۔ "اتنے پریشان کیوں ہو؟"

روفی بولے "کیا بتائیں' صبح کام' شام کو کام' کام کام۔ تنگ آ گئے ہیں۔"

"اتنا کام کب سے شروع کیا؟"

"کل سے شروع کریں گے۔"

رستم پڑھا لکھا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ ہمارا ہاتھ بٹائے گا اور حساب کے سوال نکال دیا کرے گا۔ اس کے بعد دیر تک بڑوں پر تبصرے ہوتے رہے کہ یہ مزے کرتے ہیں۔ انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ نہ انہیں شام کو ٹیوشن کی مصیبت ہے۔ نہ علی الصبح اٹھنے کی قید۔ ان کی آزمائشیں' ان کے امتحان' ان کے کڑے دن گزر چکے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

پھر ہمارا امتحان ہوا۔ ہمیں کچھ اور بتایا گیا تھا' لیکن پرچے کچھ اور ہی آئے۔ چنانچہ ہم کچھ اور ہی لکھ آئے۔ بس فیل ہوتے ہوتے بچے۔ ہر ایک نے ہمیں حسب توفیق

کیوں ہے؟ اسے صرف تین صفحوں کا ہونا چاہیے تھا۔"

روفی کو لمبے لمبے جواب مضمون لکھنے کا بہت شوق تھا' اگرچہ وہ ہوتے تھے بالکل یونہی سے۔ تین صفحوں کی قید کو انہوں نے یوں نظر انداز کیا کہ پہلے صفحے پر نمبر ایک لکھا' دوسرے پر نمبر دو' اس کے بعد کئی صفحوں کو اکٹھا کرکے پن کر دیا اور اس پر نمبر تین لکھ دیا۔

URDU4U.COM

"اور پھر یہ مضمون اچھا بھی نہیں۔"

"جناب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اچھا نہیں ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو پسند نہیں آیا۔"

"اچھا چلو یوں سہی کہ مجھے پسند نہیں آیا۔ اور یہ تاریخ کے پرچے میں تم نے ایجاد کیا' ایجاد کیا' کیوں بار بار لکھا ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ شاہجہاں نے تاج محل ایجاد کیا۔ جہانگیر نے جہانگیر کا مقبرہ ایجاد کیا۔ قطب صاحب نے قطب صاحب کی لاٹھ ایجاد کی۔"

"جی یہ اس لئے کہ پہلے ان چیزوں کا کسی کو علم نہیں تھا۔"

"دریافت کیں۔" میں نے لقمہ دیا۔

"نہیں دریافت بھی نہیں کیں' بنائیں' تعمیر کیں۔" ماسٹر صاحب بولے۔ "سچ کہو' تمہارا سکول کا کام کون کیا کرتا ہے' ایمان سے بتاؤ۔"

"جی رستم کیا کرتا ہے۔"

"اکیلا؟"

"جی نہیں' ہم اس کی مدد کیا کرتے ہیں؟"

"تم دونوں کو اپنا خط خوبصورت بنانا چاہیے۔"

"پھر آپ ہماری املا میں غلطیاں نکالیں گے۔"

ماسٹر صاحب شاید کوئی خوشخبری سن کر آئے تھے' ہم سے بالکل خفا نہیں ہوئے۔ چلتے وقت کہنے لگے "اتنی غلطیاں میں نے کسی اور کے پرچے میں نہیں دیکھیں۔"

"جی غلطیاں تو ہم سب کرتے ہیں۔ اسی لئے تو پنسل کے ساتھ ربڑ لگائی جاتی ہے۔" روفی

مودبانہ بولے۔

چپڑاسی بیمار پڑ گیا۔ اس کی ڈیوٹی ہمیں دے دی گئی۔ ٹیلیفون اور ملاقاتیوں کا خیال رکھنا اور اس بیوقوف طوطے کی نگرانی کرنا۔ اس کی بیماری بھی عجیب سی تھی۔ صبح کہتا ہے' نمونیہ ہو گیا۔ شام کو کہتا ہے' نہیں سرسام تھا۔ کبھی کہتا کہ باؤلا کتا کاٹ گیا تھا۔ اسے ثابت کرنے کے لئے اس نے کتے کے بھونکنے کی نقل بھی اتاری۔ پھر رستم نے اسے بتایا کہ اس مرض میں مریض مر جاتا ہے۔ لیکن بھونکتا ہرگز نہیں' چنانچہ اس نے مرض فوراً بدل لیا۔ یہ مرض تپدق' ملیخولیا' خون کے دباؤ' زکام وغیرہ سے ہوتا ہوا آسیب پر آ کر رکا۔ آخر میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس پر کسی بھوت کا سایہ ہے۔

شام کو ہم باورچی خانے میں بیٹھے تھے۔ باورچی کھانا پکا رہا تھا۔ رستم پاس بیٹھا تھا۔ بھوتوں کے قصے ہو رہے تھے۔

"رات تم سوتے ہوئے شور مچا رہے تھے۔" میں نے روفی سے کہا۔

"میں بھونکتے ہوئے کتوں کو رات بھر دیکھتا رہا۔ تم نے وہ شور سنا ہو گا۔"

"بھوت تو میں نے دیکھا تھا پچھلے سال۔" باورچی بولا

"کیسا تھا؟"

"ایک بہت بڑے گدھے جیسا۔"

"تم اپنے سائے سے ڈر گئے ہو گے۔" رستم نے بتایا۔

"نہیں' سچ مچ کا بھوت تھا۔ اس نے میرا پیچھا کیا۔ میں نے بھاگ کر دروازہ بند کر لیا۔ مگر بھوت دیوار میں سے نکل آیا۔"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"میں دوسری دیوار میں سے باہر نکل گیا۔

"کیا ہانک رہے ہو؟" رستم بولا "ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ایسا ہوتا تھا۔ مگر میں اس وقت خواب دیکھا رہا تھا۔ یہ خواب سنا رہا ہوں۔"

"میں اپنی آپ بیتی سناتا ہوں۔" رستم کہنے لگا "میں ان دنوں اپنے کھیت میں کام کیا کرتا تھا۔ کھیت کے راستے میں قبرستان بھی پڑتا تھا اور شمشان بھی۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ میں رات کو کھیت میں پانی لگانے جا رہا تھا کہ شمشان سے میرے پیچھے ایک بھوت ہو لیا۔ دیکھنے میں وہ بالکل انسانی روپ میں تھا۔ اس نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ بس میری نقلیں اتارنے لگا۔ میں ڈر سے کانپنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھی کانپ رہا ہے۔ میری گھگھی بندھی۔ اس کی بھی گھگھی بندھ گئی۔ ایک پیر وہاں رہتے تھے۔ میں اگلے روز ان کے پاس گیا۔ انہوں نے پہلے تو ایک تعویذ لکھا۔ پھر کچھ سوچ کر بولے۔ "تم اس مردود سے کام کیوں نہیں لیتے۔" چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق میں اگلے روز ایک ہل اور دو بیل فالتو لے گیا۔ رات کو وہ آیا۔ میں نے ہل چلانا شروع کر دیا۔ اس نے بھی یہی کیا۔ غرضیکہ رات بھر ہم دونوں نے خوب ہل چلایا۔ علی الصبح وہ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ہل چلوایا۔ فصل کٹوائی' اناج نکلوایا۔ بوریوں میں بند کروایا۔ پھر اچانک نہ جانے اسے کیا ہو گیا' شاید کسی اور بھوت نے اسے پٹی پڑھا دی تھی یا کچھ اور وجہ تھی۔ اس کے تیور بدل گئے۔ وہ میری طرف گھور گھور کر دیکھتا۔ میرے قریب آنے کی کوشش کرتا۔ میں پیر صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے پہلے تو تعویذ لکھا' پھر کچھ دیر سوچ کر تعویذ واپس لے لیا اور مجھے ایک تجویز بتائی۔ اس پر میں نے فوراً عمل کیا۔ شام کو میں نے دو گڑھے کھودے۔ ایک میں خوب انگارے دہکائے' دوسرا یونہی رہنے دیا۔ دونوں پر ایک ایک اینٹ بجائی اور اوپر سے راکھ چھڑک دی۔ رات کو وہ آیا۔ میں نے اس سے خوب کام لیا۔ پھر میں نے انگڑائی لی۔ اس نے بھی انگڑائی لی۔ میں بولا "بھئی' اب تو آرام کرنا چاہیے۔ وہ اسی طرح بولا۔ بھئی اب تو آرام کرنا چاہیے۔ میں راکھ ہٹا کا ٹھنڈی اینٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے بھی اسی طرح کیا۔ دہکتی ہوئی اینٹ پر بیٹھ کر اس نے ایک فلک شگاف نعرہ لگایا اور جو وہاں سے غائب ہوا ہے تو پھر کبھی نہیں آیا۔"

باورچی نے بتایا۔ "جہاں میں پہلے ملازم تھا وہاں حویلی میں ایک بھوت رہتا تھا' مگر اس

سے کوئی ڈرتا ہی نہ تھا۔ بچے تک اس کا مذاق اڑاتے۔ جب وہ ڈرانے کی کوشش کرتا تو اسے جھڑک دیا جاتا کہ کیوں بیکار شور مچا رہا ہے۔ ناحق اپنا وقت بھی ضائع کر رہے ہو اور ہمارا بھی۔ کبھی کبھی اسے چائے کی دعوت دی جاتی۔ بھوت رات گئے میرے پاس آتا اور اپنی اس درگت پر آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتا۔ سب سے زیادہ غم اسے اس بات کا تھا کے قاعدے کی رو سے اس سے سب کو ڈرنا چاہیے تھا اور یہ کہ بحیثیت ایک بھوت کے اسے نہایت ظالم اور سخت دل ہونا چاہیے تھا۔ اس نے کئی مرتبہ خودکشی کی کوشش بھی کی۔ آخر میں نے ایک روز سنا کہ وہ بیچارہ کہیں شرم سے سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔"

"ایک بھوت ہمارے چپڑاسی پر بھی تو سوار ہے۔"

"یہ فرضی بیمار ہے۔" رستم بولا "اس کا مرض فرضی ہے اس لئے اس کا علاج بھی فرضی ہونا چاہیے۔ جب سب چلے جاتے ہیں تو یہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ ساری دوائیاں کہیں ادھر ادھر پھینک دیتا ہے اور علی الصبح اٹھ کر ورزش کرتا ہے تا کہ سارا دن لیٹے رہنے سے کہیں صحت خراب نہ ہو جائے۔"

"تو کیا یہ جھوٹ بولتا ہے۔" ہم حیران رہ گئے۔

"بالکل! لڑ کر دنیا میں جھوٹ ایک نہایت اہم چیز ہے۔ اس کے بغیر گزارا مشکل ہے۔ اب تم جھوٹ بولتے ہو تو تمہیں تھوڑا سا افسوس ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ افسوس غائب ہو جائے گا اور تم بے دھڑک کھلم کھلا جھوٹ بولا کرو گے۔ صبح سے جو جھوٹ بولنا شروع کرو گے تو شام تک سراسر جھوٹ بولو گے۔ حیوانوں سے جھوٹ بولو گے' انسانوں سے جھوٹ بولو گے۔ یہاں تک کہ خدا سے بھی جھوٹ بولنے کی کوشش کرو گے۔"

کچھ دیر میں ڈاکٹر صاحب کی کار آ گئی۔ وہ مریض کو دیکھنے آئے تھے۔ ہم نے تہیہ کر لیا کہ اب اس مریض کو شفا دلا کر ہی چھوڑیں گے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا۔ روفی بولے۔ "جناب مریض کی طبیعت اس قدر خراب ہے کہ وہ آپ سے ملنا

نہیں چاہتا۔"

"آج تمہارا ٹمپریچر کتنا تھا؟" ڈاکٹر صاحب نے مریض سے پوچھا۔

"ایک سو آٹھ کے قریب تھا۔"

"اس قدر زیادہ!"

"کہیں تم نے تھرمامیٹر سے چائے میں شکر تو نہیں ہلائی؟" روفی نے کہا۔

URDU4U.COM

"تم نے ہدایت کے مطابق دوائی پی تھی؟" ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا۔

"جناب اس نے بوتل پر لکھی ہوئی ہدایت پر عمل کیا ہے کہ کارک کو مضبوطی سے بند رکھو۔" روفی بولے۔

جب ڈاکٹر صاحب نسخہ لکھ رہے تھے تو روفی بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر کہنے لگے۔ "جناب اگر فرصت ہو تو مجھے بھی ملاحظہ فرمایئے۔ میں تندرست رہتا ہوں۔ آج تک بیمار نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ مجھے معمولی سا نزلہ زکام بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تو میں بہت ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے نظام میں کوئی خرابی تو نہیں ہے۔"

ہم علی الصبح اٹھے۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھتے ہیں تو مریض صاحب کمرے میں ورزش کر رہے ہیں۔ چھلانگیں لگائی جا رہی ہیں۔ ڈنٹر پیلے جا رہے ہیں۔ ہم نے اندر جا کر ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ مولانا یا تو آج صبح سے اپنا ٹیلیفون' وہ نالائق طوطا اور ملاقاتیوں کو سنبھالو۔ ورنہ ہم سب سے کہہ دیں گے۔ آدمی سمجھدار تھا۔ فوراً تندرست ہو گیا۔

اگلے ہفتے ماسٹر صاحب کے ہاں چوری ہو گئی۔ ان کا کنبہ چند دنوں سے کہیں گیا ہوا تھا۔ اس رات وہ خود بھی کہیں مدعو تھے۔ گھر خالی تھا۔ کوئی موقع پا کر بالکل صفائی کر گیا۔ صبح کو ہم ان کے مکان پر گئے۔ روفی نے بڑے غور سے سب کچھ دیکھا پھر بولے "گھبرانے کی کوئی بات نہیں' خوش قسمتی سے ہم ان دنوں سراغرسانی کی کہانیاں پڑھ رہے ہیں۔"

ہم دونوں نے مشورہ کیا۔ ماسٹر صاحب سے بالکل تھانیدارانہ انداز میں سوال پوچھے۔ پاؤں

کے نشان دیکھے' مکان کو ادھر ادھر سے سونگھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سیاہ رنگ کی بلی جو برآمدے میں بندھی ہوئی تھی پکڑ لی گئی۔ یہ بلی موقع پر موجود تھی۔ اس نے چور کو دیکھا تھا۔ بلیاں سمجھ دار ہوتی ہیں۔ ان کی آنکھیں رات کو چمکتی بھی ہیں' وہ اندھیرے میں بخوبی دیکھ سکتی ہوں گی۔ یہ چور کو پہچان سکتی ہیں۔ اگر اس نے چور کو دیکھا تو غرائے گی' پنجہ مارے گی یا کسی اور طرح خفگی کا اظہار کرے گی۔ ہم اسے آس پاس سڑکوں پر لیے پھریں گے۔ چور بھی نزدیک ہی رہتا ہو گا۔ یہ کسی بھیدی کا کام تھا۔

شام کو ہم جھیل کے کنارے بیٹھے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ دراصل ہم نے کانٹوں میں مچھلیاں پہلے سے لگائی ہوئی تھیں۔ پانی میں ڈور تھی اور ڈور کے سرے پر مچھلی۔ یہ رستم کے لئے کیا تھا۔ آج اسے مچھلیاں پکڑ کر دکھا دیں گے۔ جب وہ ہمیں لینے آیا تو چوری کی باتیں شروع ہو گئیں۔ ہمارا خیال تھا کہ لوگ محض دوسروں کو پریشان کرنے کے لئے چوری نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی چیزوں پر قبضہ جمانے کے لئے کرتے ہیں اور پھر ان چیزوں کو کبھی واپس نہیں لوٹاتے۔ اور یہ انسان کی ہوس ہے جو اسے چوری کرنے کے لئے اکساتی ہے۔ کئی لوگ بڑی بڑی چوریاں بھی کرتے ہیں۔ انسانوں کو چرا لیتے ہیں۔ زمین کے بڑے بڑے خطوں' براعظموں کو چرا لیتے ہیں۔

اتنے میں شڑپ سے آواز آئی۔ "یہ آواز سنی تم نے؟" ہم دونوں چلائے۔ "یہ مچھلی تھی۔" پھر میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ ڈور کھینچی اور مچھلی باہر نکال لی۔ روفی نے بھی یہی کیا۔

"تم دیکھتے جاؤ' کچھ دیر میں یہاں مچھلیوں کے ڈھیر لگ جائیں گے۔ تب تو تمہارا شبہ رفع ہو جائے گا۔" ہم نے کہا۔

پھر ہم دوسرے کنارے کی باتیں کرنے لگے کہ جب کبھی ہم وہاں گئے تو رستم کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔ وہ مسکرا کر بولا "لڑکو یہ خود فریبی کی نیلی جھیلیں اور دوسرے کنارے عمر بھر پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہم زندگی بھر اپنے آپ کو فریب دینے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ یہ یقین دلانے کی کوشش میں کہ جو چیز یہاں نہیں ہے وہ یہاں ہے۔

آج تم نے دو مری ہوی مچھلیاں اپنے کانٹوں میں اس لئے لگائی تھیں کہ تمہیں اب تک یقین ہے کہ دنیا جھوٹی ہے اور تمہارا تصور سچا ہے۔ دوسرے کنارے کے متعلق تم نے کیسے سہانے خیالات دل میں بسا رکھے ہیں۔ میں وہاں کئی مرتبہ گیا ہوں۔ وہ کنارا بالکل ویران ہے' اس کنارے سے کہیں بڑا ہے۔ میری مانو تو تم کبھی اس طرف مت جانا' ورنہ تمہیں افسوس ہو گا۔ دوسرا کنارہ بس دور ہی سے اچھا لگتا ہے۔"

باری باری بلی پر ہماری ڈیوٹی لگتی۔ رات کو میری ڈیوٹی تھی۔ صبح اٹھ کر دیکھتا ہوں تو بلی غائب ہے۔ بہتیرا ڈھونڈا مگر نہ ملی۔ روفی سو رہے تھے میں باہر بھاگا کہ کہیں ایسی ہی کالی بلی مل جائے تو پکڑ لاؤں۔ یوں تو بلیاں ہمارے ہاں بھی بہت سی تھیں' لیکن ان میں سیاہ ایک بھی نہیں تھی۔ میں دعا مانگ رہا تھا کہ یا الٰہی کہیں سے ایک سیاہ بلی بھیج۔

لوگ کہتے ہیں کہ بچوں کی دعائیں بہت جلد قبول ہو جاتی ہیں۔ لوگ سچ کہتے ہیں' میں نے سڑک پر ایک آدمی دیکھا۔ جس کے ہاتھ میں تھیلا تھا اور تھیلے میں میاؤں میاؤں ہو رہی تھی۔ اس سے پوچھا وہ بولا کہ اس میں کوئی پندرہ سولہ بلیاں بند ہیں۔ میں ان سے تنگ آ چکا ہوں اور انہیں کہیں دور چھوڑنے جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ ایک سیاہ بلی مجھے نکال دے تو میں اس کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ پہلی بلی سفید تھی۔ اسے واپس بند کیا۔ دوسری چتکبری نکلی' تیسری بھوری' چوتھی بادامی۔ ادھر میرا برا حال تھا۔ کسی کالی بلی کے دیدار کے لئے آنکھیں بے تاب ہو رہی تھیں۔ خدا خدا کرکے سیاہ بلی نکلی اور میں لے کر بھاگا۔ روفی کے جاگنے سے پہلے سیاہ بلی وہیں بندھی ہوئی تھی۔

"یہ بلی دو تین دنوں میں کتنی موٹی ہو گئی ہے۔" وہ بولے "واقعی یہ نئی بلی گزشتہ بلی سے بڑی تھی۔ تیسری رات یہ بلی بھی بھاگ گئی۔ بد قسمتی سے اس رات بھی میری ڈیوٹی تھی۔ میں بڑا گھبرایا۔ اگر روفی کو پتہ چل گیا تو جان کھا جائیں گے۔ مجھے صبح

تک نیند نہ آئی۔ علی الصبح پڑوس میں گیا۔ ان کے ہاں ایک سیاہ بلی رہتی تھی۔ وہ ان سے ادھار مانگی۔ پہلے تو وہ متعجب ہوئے' غالباً پہلی مرتبہ کوئی بلی ادھار مانگنے آیا تھا۔ پھر انہوں نے اس شرط پر بلی دی کہ میں تیسرے دن واپس لوٹا دوں گا۔ ساتھ ہی اس کے ناشتے' لنچ اور ڈنر کے متعلق ہدایتیں کیں کہ ناز و نعم میں پلی ہوئی ہے' کہیں دبلی نہ ہو جائے۔ یہ بلی بہت موٹی تھی۔ اسے دیکھ کر روفی بولے۔ "بھئی یہ بلی تو روز بروز موٹی ہوتی جا رہی ہے۔" حالانکہ پہلی بلیوں کو سارا سارا دن بھوکا رکھا جاتا تھا۔

یہ بلی عجب شان سے رہتی تھی۔ خوشامدیں کرا کے کھانا کھاتی۔ ذرا ذرا سی بات پر برا مان جاتی اور دیر تک روٹھی رہتی۔ آتے ہی اس نے روفی کے ابا پر پنجہ اور روفی سوچنے بیٹھ گئے کہ سراغرسانی کے قواعد کے مطابق تو ان پر شبہ کرنا چاہیے۔ پھر کہنے لگے کہ محض پنجہ اٹھانے سے شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلی کو کچھ اور بھی کرنا چاہیے۔ شام کو ماسٹر صاحب آئے۔ ان پر بلی نے نہ صرف پنجہ اٹھایا بلکہ آنکھیں بھی دکھائیں اور دانت بھی نکالے۔ تو گویا ماسٹر صاحب نے خود اپنا سامان چرایا تھا۔ ان کے پوچھنے پر ہم نے تفصیل بتائی۔ وہ بولے "تم ناحق اپنا وقت ضائع کر رہے ہو' جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ بھلا بلیوں سے بھی کبھی سراغ نکلے ہیں۔"

"اور اگر سراغ نکل گیا تو؟"

"تو شرط رہی' جو کچھ تم کہو گے کروں گا۔"

تیسرے روز مجھے وہ بلی واپس کرنی پڑی۔ نئی بلی کی تلاش میں پھر مارا مارا پھرا۔ بڑی مصیبتوں سے ایک لڑکے سے ایک روپے میں ایک مریل سی کالی بلی خریدی۔ اسے دن بھر تو میں نے چھپائے رکھا۔ رات کو روفی نے دیکھا تو بڑا افسوس ظاہر کیا۔ "آئے ہائے' بیچاری بلی۔ یہ اسے کیا ہو گیا۔ یکلخت اتنی دبلی کیسے ہو گئی؟"

ہمیں جب فرصت ملتی بلی کو لے کر باہر نکل جاتے۔ اسی امید پر کہ چور اب ملا' اب ملا۔

اور پھر خدا کا کرنا کیا ہوا' اسی مریل سی بلی نے جو اس قدر صلح پسند اور خاموش طبیعت

مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب روفی اور میں جھیل کے کنارے لمبی لمبی گھاس میں بیٹھے تھے۔ رات کو بارش ہوئی تھی۔ صبح بالکل صاف طلوع ہوئی۔ خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ فضا میں بادل تیر رہے تھے۔ جھیل کے نیلے پانی پر ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہر چیز میں نکھار تھا' تازگی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے دنیا ابھی ابھی تخلیق ہوئی ہے۔

ہم کہانیاں پڑھتے رہے' باتیں کرتے رہے۔ کھیلتے رہے' زقندیں بھرتے ہوئے پرندوں اور ناچتی ہوئی تتلیوں کو دیکھتے رہے۔ ہماری ڈوریں پانی میں تھیں' دن بھر ہمیں مچھلیوں کا انتظار رہا۔ ہم انہیں بھوننے کا سارا سامان لائے تھے۔ دن ڈھلے ہمیں رستم لینے آیا۔

ایسے خوشنما نظارے کو دیکھ کر وہ بھی ہمارے پاس بیٹھ گیا اور عجیب عجیب سی باتیں سنانے لگا۔ جب رستم ایسی باتیں کرتا تو وہ ہمیں بالکل اچھا نہ لگتا۔ وہ بڑی سنجیدہ قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ کیا ہوا جو زندگی اسی خود فراموشی اور خود فریبی میں گزر جایا کرے۔ اسی طرح مسکراتی ہوئی گزر جایا کرے۔ لیکن یوں نہیں ہوتا۔ کوئی کتنی ہی کوشش کرے ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ ان خوابوں سے چونکنا پڑتا ہے۔ وہ ہمیں بتانے لگا۔ "لڑکو! تم بڑے ہو گے تو تمہیں افسوس ہو گا۔ جوں جوں تمہارا تجربہ بڑھتا جائے گا تمہارے خیالات میں پختگی آتی جائے گی اور یہ افسوس بھی بڑھتا جائے گا۔ یہ خواب پھیکے پڑتے جائیں گے۔ تب اپنے آپ کو فریب نہ دے سکو گے۔ بڑے ہو کر تمہیں معلوم ہو گا کہ زندگی بڑی مشکل ہے۔ جینے کے لئے مرتبے کی ضرورت ہے۔ آسائش کی ضرورت ہے اور ان کے لئے روپے کی ضرورت ہے اور روپیہ حاصل کرنے کی لئے مقابلہ ہوتا ہے۔ مقابلے میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے' دھوکہ دینا پڑتا ہے' غداری کرنی پڑتی ہے۔ یہاں کوئی کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ دنیا میں دوستی' محبت' انس' سب رشتے مطلب پر قائم ہیں۔ محبت آمیز باتوں' مسکراہٹوں' مہربانیوں' شفقتوں' ان سب کی تہہ میں کوئی غرض پوشیدہ ہے۔ یہاں تک کہ خدا کو بھی لوگ ضرورت پڑنے پر یاد کرتے ہیں اور جب خدا دعا قبول نہیں کرتا تو لوگ دہریے بن جاتے ہیں' اس کے وجود سے منکر ہو جاتے ہیں۔

اور دنیا کو تم کبھی خوش نہیں رکھ سکتے۔ اگر تم سادہ لوح ہوئے تو دنیا تم پر ہنسے گی' تمہارا مذاق اڑائے گی۔ اگر عقلمند ہوئے تو حسد کرے گی۔ اگر الگ تھلگ رہے تو تمہیں چڑچڑا اور مکار گردانا جائے گا۔ اگر ہر ایک سے گھل مل کر رہے تو تمہیں خوشامدی سمجھا جائے گا۔ اگر سوچ سمجھ کر دولت خرچ کی تو تمہیں پست خیال اور کنجوس کہیں گے اور اگر فراخدل ہوئے تو بیوقوف اور فضول خرچ۔ عمر بھر تمہیں کوئی نہیں سمجھے گا' نہ سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ تم ہمیشہ تنہا رہو گے حتیٰ کہ ایک دن آئے گا اور چپکے سے اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے۔ یہاں سے جاتے وقت تم متحیر ہو گے کہ یہ تماشا کیا تھا۔ اس تماشے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ سب کچھ کس قدر بے معنی اور بے سود تھا۔"

سورج غروب ہو رہا تھا۔ یکایک دوسرا کنارہ جگمگا اٹھا۔ وہاں بادل کے ٹکڑوں اور دھند نے ایسا رنگین اور خوشنما محل بنا دیا کہ ہماری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ نازک سی حسین محرابیں' رنگ برنگے برج اور مینارے' بل کھاتے ہوئے زینے' دور دور تک پھیلی ہوئی فصلیں۔

ہم نے رستم کو اشارے سے یہ محل دکھایا۔ "کون کہتا ہے کہ وہ کنارہ بھی ایسا ہی ہے۔ وہ دیکھو۔"

پھر سب کچھ نیلا ہو گیا۔ آسمان' جھیل' بادل اور فضا اور دوسرا کنارہ۔ کائنات نیلی ہو گئی۔ بادلوں کا بنا ہوا وہ حسین محل سنگ مر مر کا بن گیا اور اس پر ہلکی ہلکی چاندنی چھا گئی۔

ان باتوں کو کافی سال گزر چکے ہیں اور اب مجھے دور اندیش' جہاندیدہ اور عقل مند ہونا چاہیے' لیکن بد قسمتی سے یہ طویل عرصہ مجھ میں ذرا بھی تبدیلی نہ لا سکا۔ جب کبھی زندگی کی تلخیاں سامنے آتی ہیں' کریہہ حقیقتیں حسین و نازک خوابوں کو کچل ڈالتی ہیں' تب میں کسی ایسی ہی نیلی جھیل کے کنارے پناہ لیتا ہوں۔ اور زندگی میں ان جھیلوں

کا تار بندھا ہوا ہے۔ تا حد نگاہ یہ جھیلیں اس طرح چلی گئی ہیں کہ جہاں ایک ختم ہوتی ہے وہاں دوسری شروع ہو جاتی ہے۔

اور جہاں حقیقت کی حدیں تصور کی حدود کو چھوتی ہیں۔ وہاں ایک پر اسرار خطہ ہے' بالکل ویسا ہی حسین اور دلکش ..... دوسرا کنارہ!

○○○

• بے بی

اس مرتبہ جو میں نے ایک اونچے پتھر سے چھلانگ لگائی تو ندی کی تہہ سے ایک چمکیلا گول پتھر لایا۔ ہوا خنک تھی اور پانی سے باہر نکلتے ہی سردی لگتی تھی۔ اس لئے میں تیرتا ہوا پانی کے بہاؤ کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک جگہ پھولدار بیلیں ندی پر جھکی ہوئی پانی کو چھو رہی تھیں۔ وہاں غوطہ لگایا اور دور جا کر نکلا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ بالکل سامنے پتھر پر ایک پختہ عمر کا شخص بیٹھا ہے۔ اس کے منہ میں لمبا سا پائپ تھا اور ہاتھ میں مچھلیاں پکڑنے کی بنسی۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ مجھے یاد آ گیا۔ اسے ہر روز کہیں نہ کہیں ضرور دیکھتا تھا۔

"ایک غوطہ میرے لئے لگاؤ۔" وہ بولا "اس پتھر کے نیچے کئی مچھلیاں شرارتاً چھپی ہوئی ہیں۔ ذرا انہیں باہر نکال دو۔"

میں نے غوطہ لگایا۔ کافی تلاش کی' نیچے کوئی مچھلی نہیں تھی۔ باہر نکل کر اسے بتلایا' وہ بہت ہنسا۔ بولا "میرے پاس نہایت مزیدار سینڈوچ ہیں۔ ایک تم بھی چکھو۔"

میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ اس نے ایک بڑی سی سینڈوچ مجھے دی' ایک خود کھانے لگا۔ شاید وہ پچپن چھپن کا ہو گا' لیکن اس کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر بلا کی تازگی اور شگفتگی تھی۔ مسکراہٹ تھی کہ پھوٹی پڑتی تھی۔ اس نے بڑے شوخ کپڑے پہن رکھے تھے اور ہیٹ میں ایک خوشنما پر لگا ہوا تھا۔

"آج میں نے رنگ برنگی تتلیاں پکڑی ہیں۔ شام کو میں انہیں البم میں لگاؤں گا۔ یہ دیکھو "اس نے مجھے تتلیاں دکھائیں۔

"آپ کے پاس تتلیوں کا البم ہے؟" میں نے بڑے شوق سے پوچھا۔

"ہاں! اور پھولوں کا البم بھی ہے۔ پرندوں کے رنگین پروں کا البم بھی۔

میرے ہیٹ میں جو پر لگا ہے' اس سے کہیں خوشنما پر البم میں ہیں۔"

میں اکثر اسے جنگلوں میں پھرتے دیکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ تنہا ہوتا۔ اس کے ہاتھ میں تتلیاں پکڑنے کا جال ہوتا اور گردن میں کیمرہ اور تھیلا۔

URDU4U.COM

ہم باتیں کرتے کرتے واپس اس جگہ آ گئے جہاں میرے کپڑے رکھے تھے۔ اس نے میرا بلیزر دیکھا۔

"یہ کرکٹ کا کلر تمہیں کب ملا؟"

"چند مہینے ہوئے۔"

"تب تو تم بہت اچھے کھلاڑی ہو گے۔ بولر ہو یا بیٹسمین؟"

"بولر ہوں۔"

"سلو یا فاسٹ"

"فاسٹ"

"میں نے کلر جیتنے کی ساری داستان سنائی۔ کچھ جھوٹ کچھ سچ۔ اس نے بڑی دلچسپی سے سب کچھ سنا۔

"مجھے بھی کرکٹ کا خبط ہے' لیکن میں کبھی اسے سیکھ نہ سکا۔ مجھے بولنگ سیکھنے کا تو بے حد شوق ہے۔ کیا تم مجھے سکھا دو گے؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا' بھلا اس عمر میں بولنگ سیکھنے کا کیا فائدہ؟ لیکن بڑی سنجیدگی سے اس نے دوبارہ یہی سوال کیا۔

"آپ کو تھوڑی بہت تو آتی ہو گی۔"

"نہیں بالکل نہیں آتی' لیکن سکھاؤ گے تو بہت جلد سیکھ جاؤں گا۔ میرے پاس چند بلے اور گیندیں ہیں۔ جال اور وکٹیں یہاں نہ مل سکیں تو سری نگر سے منگا لیں گے۔"

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس نے بتایا کہ وہ آسٹریلیا سے یہاں آیا تھا۔ ہندوستان میں کافی دنوں سے ہے۔ گلمرگ میں اکیلا آیا ہے۔ اسے کرکٹ کا نہایت شوق ہے۔ اس نے انگلینڈ اور آسٹریلیا کے بڑے بڑے ٹیسٹ میچ دیکھے ہیں۔ کئی مشہور کھلاڑیوں کو جانتا بھی ہے۔ میں نے بریڈ مین اور ریلی کے متعلق بے شمار سوال پوچھے۔ پھر میں نے

ہندوستانی کھلاڑیوں کی باتیں سنائیں۔ اچھے اچھے میچوں کا ذکر کیا۔ میرا ہوٹل پہلے آتا تھا۔ میں نے اسے چائے پر ٹھہرا لیا۔ چائے کے بعد اسے البم دکھائے اور پرندوں کے تھوڑے سے رنگین پر۔

URDU4U.COM

طے ہوا کہ اگلے روز ہم اکٹھے تتلیاں پکڑنے چلیں۔ تصویریں بھی اتاریں گے اور کہیں ایک آدھ مچھلی مل گئی تو اسے بھی پکڑ لیں گے۔ پھر شام کو کرکٹ کے لئے میدان درست کیا جائے گا۔ میں اکیلا گلمرگ آیا ہوا تھا۔ سالانہ امتحان ہوا' اس قدر کٹھن اور طویل کہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ جس دن امتحان ختم ہوا میں نے بستر باندھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں گلمرگ میں تھا۔ ہوٹل میں ٹھہرا' ادھر ادھر دیکھا تو ایک بھی مانوس چہرہ نظر نہ آیا' بڑی مایوسی ہوئی۔ چند ہی دنوں میں بیزار ہو گیا۔ عجب تماشا تھا کہ ایسی پر رونق جگہ میں میرا جی ایسا اچاٹ ہوا کہ وقت گزارنا مشکل ہو گیا۔ مجھے ان دنوں کرکٹ کا کلر نیا نیا ملا تھا اس لئے بلیزر پہننے کا اتنا شوق تھا کہ میں اور کوئی کوٹ ہی نہیں پہنتا تھا۔ صبح صبح بلیزر پہن کر نکل جاتا اور سارا دن ادھر ادھر پھرتا رہتا۔ شام کو آتا' بلیزر اتار کر سو جاتا۔

اگلے روز ہم اکٹھے سیر کو گئے۔ دن بھر کرکٹ کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہماری عمروں میں اس قدر نمایاں فرق تھا' پھر بھی ہم اتنی جلدی بے تکلف ہو گئے۔ شام کو ان کی چھوٹی سی کوٹھی میں چائے پی گئی۔ سامنے ایک باغیچہ اور میدان تھا۔ اس میں ہم نے جگہ منتخب کی اور دیر تک زمین ہموار کرتے رہے۔ میں نے ان کا نام پوچھا۔ نام بتا کر کہا۔

"یہ نام تو طویل سا ہے اور مجھے پسند بھی نہیں ہے۔ میرے دوست مجھے فرینکی کہتے ہیں' تم بھی فرینکی کہا کرو۔"

میں سوچنے لگا کہ فرینکی تو کوئی ہم عمر دوست ہی کہہ سکتا ہے اور یہ مجھ سے اتنے بڑے ہیں۔ مجھے ان کا ادب کرنا چاہیے۔ لیکن انہوں نے اصرار کیا' آخر ایک مختصر سی بحث کے بعد طے ہوا کہ میں انہیں انکل فرینکی کہا کروں۔

انہوں نے البم دکھائے۔ اس قدر پیاری تتلیاں' رنگ برنگے پر اور شوخ پھول۔ ایسے خوبصورت مجموعے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ پھر انہوں نے طرح طرح کی سیپیاں' گھونگے اور منکے دکھائے۔ میرے لئے یہ سب کچھ کسی خزانے سے کم نہ تھا۔

URDU4U.COM

ہم نے دو دن صرف کرکے کرکٹ کھیلنے کے لئے موزوں جگہ بنا لی۔ جال لگایا' وکٹیں گاڑیں' سبق شروع ہوئے۔ میں نے گیند پکڑنے کا طریقہ بتایا۔ قدم گن کر دکھائے۔ بازو گھما کر گیند پھینک کر دکھائی۔ جب وہ اچھی طرح سمجھ گئے تب ان سے کہا کہ اب آپ پھینکئے۔ میں بلا لے کر وکٹوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ان کی پہلی گیندیں تو بمشکل مجھ تک پہنچ سکیں۔ چند گیندیں جال سے باہر نکل گئیں۔ کئی میرے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ مجھے ان کے سٹائل پر بڑی ہنسی آئی۔ یہ تو شاید ہی سیکھ سکیں۔

کئی دنوں تک یہی سوچتا رہا حتیٰ کہ میں بالکل ناامید ہو گیا۔ لیکن ان کا جوش و خروش بدستور تھا۔ وہ الٹی سیدھی گیندیں پھینک کر قہقہے لگاتے' ہنستے ہنستے ان کا چہرہ گلابی ہو جاتا۔ وہ بیحد زندہ دل تھے' حالانکہ ان کی عمر ایسی تھی کہ انہیں کم گو اور قنوطی ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں ان کی ایک ایک حرکت میں بچپنا تھا۔ بات بات میں شوخی تھی' زندگی تھی۔

ہر روز ہم اکٹھے باہر جاتے' درختوں پر چڑھتے' پرندوں کے گھونسلوں سے رنگین انڈے پر چراتے۔ تتلیوں کا تعاقب کرتے' خود رو پھول توڑتے' بھاگ بھاگ کر بے حال ہو جاتے۔ شام کو کرکٹ شروع ہوتی۔ میں گیند پھینکنے کی قسمیں بتاتا کہ کس موقع پر کیسی گیند پھینکنی چاہیے۔ اس کے بعد وہ عجب اوٹ پٹانگ گیندیں پھینکنی شروع کرتے اور میں بھی ہنس ہنس کر دوہرا ہو جاتا۔

ایک شام کو وہ بولے کہ آج کلب میں رقص ہے۔ وہاں چلیں گے۔ میں نے معذرت کی کہ اول تو مجھے رقص کا کچھ اتنا شوق نہیں' دوسرے یہ کہ میں نے آج تک والز نہیں کیا۔ تیسرے میں اس لباس میں کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہوں۔ وہ بولے۔

والز تو میں ابھی سکھائے دیتا ہوں' رہ گیا لباس! سو دیکھ لینا تم اس لباس میں ایسے جچو گے کہ ساری نگاہیں تم پر ہوں گی۔ انہوں نے مجھے آسان سے سٹپ بتائے۔ ایک' دو' تین۔ ایک' دو' تین۔ میں نے نقل اتاری۔ ایک' دو' تین۔

گرامو فون پر ریکارڈ لگایا گیا اور وہ میرے ساتھ رقص کرنے لگے۔ مجھے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی۔ ریکارڈ بج رہا ہے' ہم دونوں رقص کر رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ ہدایتیں مل رہی ہیں۔ تم مجھے اپنی پارٹنر سمجھو' میرا ہاتھ مت جھٹکو' میرے پاؤں مت کچلو' یوں منہ مت بناؤ' گھبراؤ مت۔

ذرا سی دیر میں میں سٹپ سیکھ گیا۔ چلتے وقت میں پھر ہچکچانے لگا۔ وہ بولے۔ "بھتیجے! زندگی میں یہ شام پھر کبھی نہیں آئے گی۔ زندگی بے حد مختصر ہے اور رنگین شامیں گنی گنائی ہیں۔ سمجھ لو کہ جو لمحہ گزر گیا' پھر کبھی نہیں آئے گا۔ لو اب مسکرانے لگو۔"

کلب کے برآمدے میں پہنچ کر وہ بولے "تم اس کھڑکی سے سب لڑکیوں کو دیکھ لو اور مجھے بتاؤ کہ کس کے ساتھ ناچو گے۔"

میں نے ایک سرے سے لڑکیوں کو دیکھنا شروع کیا۔ یہ سیاہ گاؤن۔ نہیں یہ شوخ بہت معلوم ہوتی ہے۔ یہ سنہری نیک لیس۔ اس کی ناک بہت لمبی ہے۔ نزدیک جانے پر کہیں چبھ نہ جائے۔ یہ سرخ بالوں والی۔ اس کی صحت ضرورت سے زیادہ اچھی ہے۔ یہ سبز ربن' یہ بھی یونہی اور پھر دفعۃً نگاہیں ایک چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ یوں محسوس ہوا جیسے اسے پہلے کہیں دیکھا ہے۔ اس سنگ مرمر کے مجسمے کو ضرور کہیں دیکھا ہے۔

میرے کندھے پر ایک ہاتھ آ گیا۔ "کون سی ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔ میں نے اشارے سے بتایا۔ بولے "انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ سچ پوچھو تو میری نگاہ بھی اسی پر تھی۔ اگر میں تمہاری عمر کا ہوتا تو اسی کو چنتا۔ اب تمہارے لیے اس کی بوڑھی استانیوں کے ساتھ ناچنا پڑے گا۔ چلو اندر چلیں۔"

ہم اندر گئے اور سچ مچ بہت سی نگاہیں ہم پر جم کر رہ گئیں۔ میرا تعارف کرایا گیا۔ پہلے معمر خواتین سے جو اس کی استانیاں تھیں' پھر اس سے۔ اس کا نام روبی تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ چہرہ میں نے بارہا دیکھا ہے۔ ان گلابی رسیلے ہونٹوں' ان شگفتہ رخساروں' ان ساحر آنکھوں کو بار بار دیکھا ہے۔ لیکن یہ نام پہلی مرتبہ سنا ہے۔ ویسے میں اسے جانتا ضرور ہوں۔

"اسے رقص کے لئے کہو۔" فرینکی میرے کان میں بولے۔

میں جھجکتا ہوا بڑھا۔ موسیقی شروع ہو گئی اور میں نے اسے بازوؤں میں لے لیا۔ چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ مدھم سروں میں بلیو ڈینیوب بج رہا تھا۔

ایک جھلمل جھلمل کرتی ہوئی ندی بہہ رہی تھی۔ شفاف نیلگوں پانی میں لہریں مچل رہی تھیں۔ بڑے بڑے کنول کے پھول ہلکورے لے رہے تھے۔ ہوا کے تیز جھونکے آئے اور پانی کی سطح پر ننھے منے رنگین پھول نکل آئے۔ یہ پھول بڑھتے گئے۔ پھر ان پر سرخ تتلیاں آ گئیں۔ اتنی ساری تتلیاں کہ سب کچھ سرخ ہو گیا۔ پھر تتلیاں شعلے بن گئیں۔ چاروں طرف شعلے ہی شعلے لپکنے لگے۔ بادل گرجا' بجلی کوندی' ننھی ننھی بوندیں برسنے لگیں۔ شعلے غائب ہو گئے۔ چاند نکل آیا۔ چاروں طرف چاندنی پھیل گئی۔ بادلوں کے ٹکڑے چاند کے سامنے گزر گئے۔ سفید سفید پرندوں کی قطاریں اڑتی ہوئی چلی گئیں۔ چاند آسمان کو عبور کرتا ہوا نیلے نیلے گنبد کے پیچھے چلا گیا۔ ٹمٹماتے ہوئے تارے طلوع ہوئے اور ان کی چمک بڑھنے لگی۔ ان میں حرکت پیدا ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے وہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ موسیقی تمام ہوئی۔ والز ختم ہو گیا۔ دفعتہً محسوس ہوا کہ میں ایک نیلے چاند کو بازوؤں میں لے کر فضاؤں میں پرواز کرتا رہا ہوں۔

"یہ میرا پہلا والز ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا بھی پہلا والز ہے۔" وہ بولی۔

میں کچھ کہنے کے لئے الفاظ تلاش کرنے لگا۔ "باہر بڑا اندھیرا ہے۔ نہ جانے چاند کب

نکلے گا؟"

"مجھے بھی چاند کا بڑا انتظار رہتا ہے۔ مجھے چاندنی بہت پسند ہے۔"

"بلیو ڈینیوب میری محبوب گیت ہے۔"

"میری بھی۔"

موسیقی شروع ہو گی۔ ہم پھر رقص کرنے لگے۔ بدستور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

URDU4U.COM

"معاف کیجئے' مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔ نہ رقص کرنا آتا ہے' نہ باتیں کرنا آتی ہیں۔ نہ لباس پہننے کی تمیز ہے۔"

"جی میں نے بھی رقص نیا نیا سیکھا ہے۔ یہ بھڑکیلا لباس مجھے بالکل پسند نہیں۔ میری سہیلیوں کا اصرار تھا کہ آج میں اپنے نام کے مطابق روبی رنگ کا لباس پہنوں' لیکن مجھے شوخ کپڑے ذرا نہیں بھاتے۔"

"آپ کو تو ہر لباس سج جائے گا۔"

اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

"آپ کے خدوخال مشرقی ہیں۔ یہ سیاہ آنکھیں' سیاہ بال اور محجوب نگاہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مشرقی محل سرائے سے کوئی شہزادی نکل آئی ہو۔"

"جی' یہ آنکھیں اور یہ بال میری امی کے ہیں' وہ ہسپانیہ کی ہیں۔ میرے ابا آئرش ہیں۔ میرے ساتھ کئی ہندوستانی لڑکیاں بھی آئی ہوئی ہیں۔ وہ اکثر مجھے یہاں کا لباس پہنا دیا کرتی ہیں۔"

نئی دھن شروع ہو گئی' لیکن ہم دونوں باہر برآمدے میں چلے گئے اور سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آسمان میں تارے بڑی تیزی سے چمک رہے تھے۔ موسیقی کی ہلکی ہلکی صدا آ رہی تھی۔

اس نے مجھے بتایا کہ اسے ہندوستان میں آئے تھوڑا سا عرصہ ہوا ہے۔ بمبئی میں اس کے چچا ایک بہت بڑی فرم میں ہیں۔ وہ وہاں لڑکیوں کے کالج میں پڑھتی ہے۔ لڑکیوں

کا ایک گروپ استانیوں کے ساتھ کشمیری آ رہا تھا' اس کے چچا نے اسے ساتھ بھیج دیا۔ ان دنوں اس کی امی اور ابا دوسرے ملکوں میں گئے ہوئے ہیں۔ بمبئی سے گزرتے ہوئے اسے چچا کے پاس چھوڑ گئے۔ بہت جلد وہ اسے واپس آئر لینڈ بلا لیں گے۔ اسے ہندوستان بہت پسند آیا ہے' اس کا جی چاہتا ہے کہ یہاں کچھ عرصہ اور رہے۔

ہم واپس ہال میں آئے تو بلیو ڈینیوب بج رہا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے لیے جیسے کنول کے پھولوں کو ہاتھوں میں تھام لیا اور بلندیوں میں رقص کرنے لگا۔

جب روبی اپنی استانیوں اور سہیلیوں کے ساتھ چلی گئی تو ہال سنسان ہو گیا۔

فرینکی کی دیکھا دیکھی میں نے بھی شوخ کپڑے پہننے شروع کر دیئے۔ صبح صبح میں نے ایک نہایت شوخ چیک کی قمیض پہنی جس میں بے شمار رنگ تھے۔ رنگین پھولدار سکارف گلے میں لپیٹا۔

فرینکی بولے "تم بالکل کاؤ بوائے معلوم ہوتے ہو۔ صرف ایک کاؤ بوائے ہیٹ کی کسر ہے۔ وہ میں تمہیں دیے دیتا ہوں۔"

انہوں نے ایک چھجے دار ہیٹ مجھے دیا۔ ہم گھوڑوں پر باہر نکلے۔ فرینکی بولے "بالکل کاؤ بوائے' ہو بہو کاؤ بوائے' یاہ ہووو!"

میں نے کاؤ بوائے کی طرح چلا کر کہا۔ "یہی ی ی ی"

آبادی سے نکل کر انہوں نے پوچھا۔ "تمہیں کاؤ بوائز کے گانے آتے ہیں؟"

"ہاں آتے ہیں۔"

میں نے گانا شروع کیا۔ انہوں نے ساتھ دیا۔

گانے میں یہ بار بار آتا تھا۔

"یہی یا یا یا یہی یا

یہی یے یے یے یہی یے"

ایک ہم نے گھوڑوں کو باندھا اور خود تتلیوں کی تلاش میں نکل گئے۔ ایک جھنڈ میں دیکھتے ہیں کہ کئی لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ ارے یہ تو وہی ہیں۔ یہاں روبی بھی ہو گی۔ روبی بھی تھی۔

استانیوں کے سامنے پتھروں کا چھوٹا سا ڈھیر تھا۔ غالباً معدنیات یا جمادات پر لیکچر ہو رہا تھا۔ ہم بھی اسی جھرمٹ میں جا بیٹھے۔ لیکچر ختم ہوا تو لنچ شروع' مجھے کہا گیا۔ میں نے معذرت کی۔

URDU4U.COM

"لنچ نہیں کھاتے؟" استانیاں حیران ہو کر بولیں۔ "آخر کیوں؟"

"دیکھئے تو سہی کاؤ بوائے ہو کر لنچ نہیں کھاتا۔" فرینکی کہنے لگے۔ یہ کاؤ بوائے والا نام بہت پسند کیا گیا۔ جب روبی نے مجھے کیک کا ٹکڑا دیا تو میں انکار نہ کر سکا۔ کئی بار ہماری انگلیاں چھو گئیں۔

طے ہوا کہ اور آگے چلیں۔ استانیوں کو جغرافیے کے سلسلے میں کسی خاص قسم کے پتھروں کی تلاش تھی۔ بہت ڈھونڈا' لیکن نہ مل سکے۔ ایک جھیل آئی وہ کہنے لیں کہ شاید اس کی تہہ میں ہوں۔ اب سوال پیدا ہوا کہ تہہ سے نکالے کیونکر جائیں۔ فرینکی نے تھیلے سے تیرنے کا لباس نکالا اور مجھے دیا۔ میں جھیل میں کود گیا۔ تہہ میں پتھر تھے تو سہی' لیکن عجب بے ڈھنگے اور بھاری۔ بڑی مصیبتوں سے ایک پتھر ہلایا۔ اس مرتبہ پانی میں اتنی دیر ٹھہرنا پڑا کہ دم ٹوٹنے لگا۔ پتھر باہر لایا۔ معلنے کے بعد بتایا گیا کہ یہ کسی اور قسم کا پتھر ہے' میں نے پھر غوطہ لگایا۔ کئی مرتبہ کوشش کی۔ جب سردی لگنے لگی تو میں باہر نکل آیا۔ شام ہو چکی تھی۔ ہم واپس لوٹے' میں اور روبی پیچھے رہ گئے۔ میں نے اسے جی بھر کے دیکھا۔ جب کہیں مشکل سا راستہ آتا تو میں اسے اپنے بازو سے سہارا دیتا۔ میں نے پھول توڑ کر اسے دیے۔ تھوڑی سی باتیں بھی ہوئیں۔ جب میں اور فرینکی گھوڑوں پر واپس جا رہے تھے تو وہ بولے۔ "یہ لڑکی تمہیں پسند کرتی ہے۔"

"کون سے لڑکی؟"

"روبی"

"سچ مچ؟"

"ہاں' اور شاید اور زیادہ پسند کرنے لگے۔"
"آپ کو کس نے بتایا؟"
"اس کی نگاہوں نے۔ آج وہ تمہیں ایسی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ مجھے یقین ہو گیا۔ جب تم نے غوطہ لگایا اور دیر تک اندر رہے تو وہ اتنی بے چین ہوئی کہ اگر تم کچھ دیر اور اندر رہتے تو وہ پانی میں کود جاتی۔"
"لیکن"
"میں بڑا شریر ہوں بھتیجے' میں نے ایسے کھیل کئی مرتبہ کھیلے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے عمر کے تیس پینتیس سال یوں جھاڑ دیئے ہیں جیسے کوٹ کے کالر سے گرد جھاڑ دیتے ہیں۔ یوں چٹکی بجا کر۔"
"اس نے کچھ کہا بھی؟" میں نے بے صبری سے پوچھا۔
"ابھی تک تو نہیں کہا' عنقریب کہہ دے گی۔ لیکن یہ مت بھولنا کہ تم اتفاق سے ملے ہو۔ تھوڑے عرصے کے لئے۔ اس کی اور تمہاری راہیں مختلف ہیں۔ سفر میں کتنے مسافر ملتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں۔ کبھی سنجیدگی سے مت سوچنا۔ یہ یاد رکھنا کہ ہزاروں روبی آئیں' ہزاروں جائیں' لیکن تمہیں پروا نہ ہو۔ خوب ہنسو کھیلو' ایسے لمحوں کا استقبال کرو۔ لیکن اپنی جان کو کبھی روگ نہ لگانا۔ جس دن تم نے کسی لڑکی کے فراق میں آہیں بھرنی شروع کر دیں اس دن تمہارے انکل فرینکی تم سے خفا ہو جائیں گے۔"
اگلے روز ہم نے استانیوں اور لڑکیوں کو چائے پر بلایا۔ ہم نے کوٹھی سجائی۔ گلدانوں میں پھول لگائے۔ روبی بھی آئی۔ اس نے ساری پہن رکھی تھی۔ ساری میں وہ ایسی پیاری معلوم ہو رہی تھی کہ بس۔ اس نے سب کی نظریں بچا کر انگلیاں ماتھے سے چھوا کر مجھے سلام کیا۔ میں نے اسی طرح جواب دیا۔
بولی "یہ ساری میری ایک سہیلی کی ہے۔ یہ سلام کرنا بھی اسی نے سکھایا ہے۔ اگر میرے بال لمبے ہوتے تو میں دو چوٹیاں کرتی جیسی میری سہیلی نے کی ہوئی ہیں۔ آپ نے

دیکھا اسے؟"

"نہیں تو"

"وہ سامنے بیٹھی ہے۔"

"ہو گی' جب تم سامنے ہو تو نگاہیں کسی اور جانب جاتی ہی نہیں۔"

میں نے اسے پھولوں کے گجرے دیئے کہ ہاتھوں میں پہن لو۔ بولی "ابھی تو بیڈ منٹن ہو گی' پہنے تو پھول بکھر جائیں گے۔ چلتے وقت پہنوں گی۔"

چائے پر ہم آمنے سامنے بیٹھے۔ شاید بیڈ منٹن بھی ہوئی' تاش بھی ہوئی' کھیل بھی کھیلے گئے' مجھے بقیہ لڑکیوں سے بھی ملایا گیا۔ مجھے اچھی طرح پتہ نہیں۔ بس میں روبی کو دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے۔ نظریں بچا کر' دزدیدہ نگاہوں سے' ہزار بہانوں سے۔

چلتے وقت اس نے سر پر پلو لے کر اسی طرح مجھے سلام کیا۔

فرینکی نے بتایا کہ استانیوں نے ہمیں چائے پر بلایا ہے۔ "بھئی' ان چھوکریوں نے ہمارا کرکٹ کا پروگرام خراب کر دیا۔ آج کہہ رہی تھیں کہ نمائش دیکھنے سری نگر چلیں۔"

"پھر آپ نے کیا کہا؟" میں نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

"کیا کہنا تھا' بھتیجے کے لئے جانا پڑے گا۔ وہاں ملنے کے موقعے زیادہ ہوں گے۔ جانتے ہو محبت کی پہلی نشانی کیا ہے؟"

"کیا ہے؟"

"دن میں دو مرتبہ شیو کرنا اور آج تم نے دو مرتبہ شیو کیا ہے۔"

ہم دونوں سری نگر گئے۔ ڈل میں ہاؤس بوٹ لینے۔ دو ان سب کے لئے اور ایک اپنے لئے۔ میرے لئے ایک چھوٹی سی کشتی بھی لی گئی۔

پھر سب سری نگر گے۔ مصیبت یہ تھی کہ ساری لڑکیوں سے تعارف ہو چکا تھا۔ ہر ایک سے باتیں کرنی پڑتی تھیں۔ ان کے ساتھ جانا پڑتا تھا۔

شام کو نمائش پر جانے سے پہلے فرینکی بولے "ان سب کو میں اپنے ساتھ رکھوں گا۔

تم روبی کو ساتھ رکھنا اور ہم سے دور دور رہنا۔"

روبی نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ اس کے مشرقی خدوخال پر یہ لباس ایسا سج رہا تھا کہ وہ آنکھوں میں کھبی جاتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ اس کے ماتھے پر سیاہ ٹیکا لگا دوں۔ اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ کہیں اسے میری ہی نظر نہ لگ جائے۔

ایک سٹال پر قد آدم آئینہ تھا۔ میں نے اسے آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ "تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ تم کتنی پیاری معلوم ہو رہی ہو۔ ذرا اپنا عکس تو دیکھو۔"

"آج پہلی مرتبہ میں نے یہ لباس پہنا ہے۔"

"تم ایک خوبصورت سی چینی کی گڑیا معلوم ہو رہی ہو۔"

ایک جگہ میں نے اس کے لیے ہلکی ہلکی نازک چوڑیاں لیں جو اس نے پہن لیں۔ پھولوں کے ہار لئے۔ پھر ایک تنہا گوشے میں ایک دوسرے کو دیر تک دیکھتے رہے۔ پتلا سا نوکدار چاند درختوں سے طلوع ہو رہا تھا۔

"روبی"

"جی"

"اس لباس کے ساتھ تو تمہارا نام بھی مشرقی ہونا چاہیے۔"

"آپ رکھ دیجئے' نیا نام"

"رابعہ۔ روبی اور رابعہ ایک سے بھی ہیں۔"

"رابعہ!!! میں اپنی سہیلیوں کو یہ نام بتاؤں گی۔"

اس کے منہ سے رابعہ بڑا پیارا لگا۔

"میں نے بھی آپ کا نام رکھا ہے۔"

"کیا؟"

ابھی نہیں' پھر کبھی بتاؤں گی۔"

میں نے ہار اسے دے دیئے۔ "تمہیں یہاں کے پھولوں کی خوشبو ناپسند تو نہیں۔"

"جی نہیں' مجھے تو یہ خوشبوئیں بے حد پسند ہیں۔ ان میں ایک نامعلوم سا فسوں ہے' ایسا

فسوں جو بھلائے نہیں بھولتا۔ جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

"جو تمہاری آنکھوں میں ہے۔"

اس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ میں نے اس کے لئے آویزے لئے۔

وہ بولی "ایسا قیمتی تحفہ میں نہیں لوں گی۔" میں نے اصرار کیا کہ یہ قیمتی ہر گز نہیں' بالکل معمولی سے ہیں۔ بولی "استانیاں پوچھیں گی۔" بتایا "کہہ دینا کہ خود خریدے ہیں۔"

"لاؤ تمہیں آویزے پہناؤں" اس نے بہتیرا کہا کہ نہیں پھر کبھی پہن لوں گی' میں نے چھوٹے کیل پہن رکھے ہیں لیکن میں نے کیل اتار کر آویزے پہنا دیئے۔

"اب تم سچ مچ رابعہ بن گئی ہو۔"

"بس میرے بال تراشیدہ ہیں۔ اگر یہ بڑے ہوتے تو میں ضرور دو چوٹیاں کرتی۔ تب میں بالکل مشرقی لڑکی دکھائی دیتی۔"

"تم اب بھی مشرقی معلوم ہوتی ہو۔ یہ تمہیں سر پر پلو رکھنا کس نے سکھایا ہے؟"

"کسی نے بھی نہیں' یونہی میرا جی چاہتا ہے کہ سر پر پلو رہے۔ کیوں اچھا نہیں لگتا کیا؟"

"بہت اچھا لگتا ہے۔"

جب فرینکی نے اشارہ کیا تو مجھے گروہ میں شامل ہونا پڑا۔

سہ پہر کو فرینکی بولے۔ "آج شام کو کلب میں بوڑھوں اور بوڑھیوں کا رقص ہے۔ سب پچاس سے اوپر ہوں گے اس لئے میں بھی مدعو ہوں۔ وقت گزارنا مشکل ہو جائے گا۔ میں بوڑھوں کی صحبت سے بہت گھبراتا ہوں۔ دونوں استانیاں میرے ساتھ جا رہی ہیں۔ ہم کافی دیر میں لوٹیں گے۔ لڑکیوں کو ادھر ادھر کر دوں گا۔ چاندنی رات ہو گی' تم روبی کو کشتی میں لے جانا۔"

شام کو انہوں نے سب کو اس خوبی سے تتر بتر کر دیا کہ کسی کو پتہ نہیں رہا کہ کون کہاں ہے۔ میں کشتی لے کر نکلا' روبی کو ساتھ لیا۔ اس نے رنگین لباس پہن

رکھا تھا۔ رنگین دوپٹے میں گوٹے کا پلو جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ کانوں میں وہی آویزے تھے اور ہاتھوں میں چوڑیاں۔

میں کشتی چلا رہا تھا اور وہ سامنے بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہاؤس بوٹ اور روشنیاں پیچھے رہ گئیں۔ سفیدے کے درخت آئے پھر سرو کے درختوں کی قطاریں۔

"میں بھی کشتی چلاؤں گی۔ ایک چپو مجھے دے دیجئے۔" وہ میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر ہم دونوں کشتی چلاتے رہے۔

"تم تھک گئی ہو گی۔" میں نے اس کے ہاتھ سے چپو تھام لیا۔

"لائیے میں بھی آپ کی مدد کروں۔" اس نے میرا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔ ہوا کے جھونکوں سے اس کے بال لہرا رہے تھے۔ بار بار اس کی چوڑیاں بجتی تھیں۔ ہم دور نکل آئے۔

"کشتی کہاں ٹھہرائیں؟"

"اس کنج میں جہاں چاند ٹہنیوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔"

کشتی کنارے تک نہیں پہنچ سکتی تھی' کنارے پر پانی تھوڑا تھا۔ میں پانی میں اتر گیا۔

"آؤ" میں نے بازو پھیلا کر کہا۔ "کچھ دور تک پانی ہے۔"

اس نے دوپٹہ درست کیا اور شرماتی لجاتی میرے بازوؤں میں آ گئی۔ میں اسے کنارے پر لے آیا۔ ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگے۔ وہ نہایت خوشنما کنج تھا۔ خوشبو دار پھولوں نے سب کچھ مہکا رکھا تھا۔ سرو کے درخت چپ چاپ کھڑے تھے۔ چاروں طرف ایسی خاموشی تھی جیسے کائنات سو رہی ہو۔ کبھی کبھار کوئی جھینگر بول پڑتا یا جھاڑیوں سے کوئی پرندہ نکل کر اڑ جاتا۔ ہم دونوں سبزے پر بیٹھ گئے۔ چاندنی میں پہلی مرتبہ میں نے اس کا چہرہ اتنے قریب سے دیکھا۔

میں نے اسے بتایا کہ اس رات میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ مجھے اس کا چہرہ بے حد مانوس معلوم ہوا۔ وہ کہنے لگی کہ اسے بھی یونہی محسوس ہوا تھا جیسے وہ مجھے برسوں سے جانتی ہو۔ میں اسے کہیں بھی وہ پہچان لیتی۔

میں اس کے آویزوں سے کھیلتا رہا' چوڑیوں سے کھیلتا رہا' بالوں سے کھیلتا رہا۔

"اچھا' بھلا تم نے میرا نام کیا رکھا ہے؟"

اس نے ہتھیلی اٹھائی اور میں نے آنکھیں میچ لیں۔

URDU4U.COM

"بے بی' بالکل بے بی"

"نہیں" میں نے مچل کر کہا۔

"میں نے پہلی ملاقات پر ہی تمہارا یہ نام رکھ دیا تھا۔ بے بی"

اس نے آہستہ سے میرے گال کو چھوا۔ "کبھی پہلے بھی کسی نے بے بی نام رکھا۔"

"نہیں تو"

"اور یہ گردن کا تل ہے۔ اسے کسی نے چھوا؟"

نہ جانے ایسے کتنے سوال اس نے پوچھ ڈالے۔ دیر تک ہم یونہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ چاند درختوں کے پیچھے چلا گیا۔ سائے لمبے ہو گئے۔ جب چاندنی پھیکی پڑنے لگی تو ہم واپس لوٹے۔ کشتی پانی کے بہاؤ کے ساتھ ہولے ہولے چل رہی تھی اور ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

میں نے فرینکی کو اپنا نام بتایا' وہ اچھل پڑے۔ "بہت اچھے' یہ نام تو کاؤ بوائے والے نام کو بھی مات کر گیا۔ کیسا موزوں نام رکھا ہے اس لڑکی نے۔ ویسے تم ہو بالکل بے بی"

انہوں نے ناشتے پر سب سے کہہ دیا۔ میرے سامنے دودھ کا جگ رکھ دیا گیا۔ "بے بی چائے نہیں پیا کرتے' دودھ پیتے ہیں۔"

"آج بے بی بھوکا رہ گیا۔ اس کے لئے گلیکسو کا دودھ اور بے بی بسکٹ منگائے جائیں۔"

یہ دونوں چیزیں شام کو آ گئیں اور دو تین کھلونے بھی۔

فرینکی موٹر لے آئے' بولے "چلو باغ میں پھول توڑیں گے۔ روبی کو ساتھ لے چلتے ہیں۔

کلب آیا تو خود اتر گئے' بولے "مجھے واپسی پر ساتھ لے لینا۔ یہ کیمرہ ہے' اس میں سلف

ٹائمر لگا ہوا ہے' تم دونوں کی اکٹھے تصویریں اتار دے گا۔ واپس آنے کی کوئی خاص جلدی نہیں ہے۔"

روبی کہنے لگی کہ میں کار چلاؤں گی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ باتیں کرتے کرتے ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے اور کار کسی چیز سے ٹکراتی ٹکراتی بچتی۔

ہم باغ میں پہنچے تو رنگ برنگے تختے پھیلے ہوئے تھے جیسے قالین بچھے ہوئے ہوں۔ ننھے ننھے خوش رنگ پرندے سیٹیاں بجا رہے تھے۔ تتلیاں اور بھنورے پھولوں پر رقص کر رہے تھے۔

کتنی دیر تک ہم پھولوں اور کلیوں سے کھیلتے رہے۔ ہم نے آنکھ مچولی کھیلی' تصویریں اتاریں' درختوں پر نام کھودے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پریوں کے ملک میں دو بچے راستہ بھول کر آ گئے ہوں۔

جب ہم واپس لوٹے تو دن ڈھل چکا تھا۔ ساری وادی پر پیلی سی خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ہماری گود میں پھولوں کا ڈھیر تھا۔ کلب میں ہمیں فرینکی منتظر ملے۔ روبی کو چھوڑ کر انہوں نے دو داڑھیاں نکالیں' ایک خود پہنی ار دوسرے مجھے دی۔ کافی بڑھیا داڑھی تھی' مہنگی ہو گی۔ ہم داڑھیاں پہن کر سڑکوں پر نکل گئے۔ کئی واقف نزدیک سے گزرے' لیکن کسی نے نہ پہچانا۔

"یہ داڑھی چبھتی ہے انکل فرینکی۔"

"لاؤ میں ٹھیک کر دوں" انہوں نے میری داڑھی ٹھیک کی۔

"اب بھی چبھتی ہے۔"

"تو یہ مونچھیں لگا لو۔" انہوں نے جیب سے مونچھیں نکال کر دیں۔

سامنے گلی ڈنڈا ہو رہا تھا۔ "یہ کون سا کھیل ہے؟"

میں نے تفصیل بتائی۔ بولے "نہایت دلچسپ کھیل ہے۔"

لڑکوں نے جو ہماری داڑھی مونچھیں دیکھیں تو ادھر ادھر بھاگ گئے۔

جلدی سے فرینکی نے داڑھی اتار دی اور میں نے مونچھیں' بڑی مشکل سے لڑکوں کو

میں نے اسے بتایا کہ "میری تعلیم مکمل ہونے میں ابھی دو سال باقی ہیں۔ جب میں ڈگری لوں گا تو ابا مجھے ضرور ولایت بھیجیں گے۔ تب ہم ملیں گے۔ بس اب تم مسکرانے لگو۔"

URDU4U.COM

"اچھا" اس نے آنسو پونچھ ڈالے۔ "تم جس طرح کہو گے اسی طرح کروں گی۔"

میں نے فرینکی کو سب کچھ بتا دیا۔ وہ بولے "جب لڑکیاں رونے لگیں تو سمجھ لو کہ وہ سنجیدہ ہو چکی ہیں۔ کھیلتے کھیلتے تم بہت دور چلے گئے ہو۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ جب تک وہ یہاں ہے تم اسے اسی طرح پیار کرتے رہو۔ اس عمر کی محبت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ جب تک ایک دوسرے کے سامنے ہوں چاروں طرف محبت ہی محبت برستی نظر آتی ہے۔ یوں منٹوں میں عمر بھر کے پیمان باندھے جاتے ہیں اور جہاں نظروں سے اوجھل ہوئے تھوڑے سے رونے دھونے کے بعد کچھ یاد نہیں رہتا۔ ذرا سے عرصے کے بعد ساری باتیں خواب بن جاتی ہیں۔"

"مگر"

"مگر وگر کچھ نہیں' میں سب کچھ جانتا ہوں۔ بھتیجے تم مجھے اپنا ہم عمر سمجھو۔"

سری نگر سے واپسی کا پروگرام بنا۔ فرینکی نے ہمیں پھر ملنے کا موقع دیا۔ شام ہوتے ہی میں نے روبی کو ساتھ لیا اور کشتی میں ہم اس کنج کی طرف چل دیئے ہاں اس رات گئے تھے۔

اس نے ملگجا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے دوپٹے کا رو پہلی پلو رہ رہ کر جگمگا اٹھتا۔ پہاڑوں سے چودھویں کا چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ کہیں سے رات کی رانی کی مہک آ رہی تھی۔

"یہ مہک کہاں سے آ رہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے بالوں سے' یہ دیکھئے! ہے نا؟"

"تمہیں یہ خوشبو پسند ہے؟"

"بہت"

اس نے ایک چھوٹا سا رومال مجھے دیا۔ اس پر میں نے بیل بوٹے خود نکالے ہیں اس پر تمہارا نام بھی لکھا ہے۔"

وہ کنج آ گیا۔ ہم سرو کی قطاروں میں چلے گئے۔ چاروں طرف وہی جانی پہچانی خاموشی تھی۔ وہی مہک تھی۔ چاندنی ابھی پھیکی پھیکی تھی۔ جب چاندنی تیز ہوئی تو طرح طرح کے نغمے جاگ اٹھے۔ رات کی رانی کی مہک بڑھتی گئی۔ دیر تک تارے درختوں سے جھانکتے رہے۔ ہوا کے جھونکے سائیں سائیں کرتے رہے۔ سائے گھٹتے بڑھتے رہے۔

جب ہم واپس لوٹے تو جھیل خاموش تھی۔ دنیا خاموش تھی۔

گلمرگ پہنچ کر فرینکی نے ایسے زور شور سے کرکٹ کھیلنا شروع کیا کہ ساری کسر نکل گئی۔ وہ بڑی محنت سے سبق سیکھتے' بڑی کوشش سے سبق یاد کرتے' سہ پہر سے شام تک بولنگ کرتے۔ ان کا کھیل پہلے سے کچھ کچھ بہتر ہوتا جا رہا تھا۔

ایک روز روبی بڑی غمگین ملی۔ کہنے لگی۔ "عنقریب ہم جانے والے ہیں۔ آج استانیاں واپسی کا پروگرام بنا رہی ہیں۔ وہ تو پہلے ہی سے چلی جاتیں مگر فرینکی نے روکے رکھا۔"

ہم رات کو ملے۔ اس نے بتایا کہ پرسوں منہ اندھیرے وہ سب چلے جائیں گے۔ اس نے نامکمل سویٹر دکھایا جسے وہ میرے لئے بن رہی تھی۔ "بننا میں نے ابھی ابھی سیکھا ہے۔ پہلی جو چیز میں نے بنی ہے وہ تمہارا سویٹر ہے۔ اسے بمبئی سے مکمل کرکے بھیجوں گی۔ وہاں میری ایک بڑی ساری تصویر ہے جو مجھے بہت پسند ہے' وہ بھی بھیجوں گی۔"

اس نے مجھے ایک تصویر دی۔ اندھیرے میں اچھی طرح نظر نہ آتی تھی۔

"اس پر لکھنا بھول گئی۔" آنکھوں کے بالکل سامنے تصویر رکھ کر اندھیرے میں اس نے کچھ لکھا۔ میں نے پڑھنے کی کوشش کی۔

"نہیں ابھی نہیں' میں چلی جاؤں تب پڑھنا۔"

اگلے روز فرینکی نے الوداعی پارٹی دی۔ رات کو رقص تھا۔ اسی ہال میں جہاں میں نے روبی کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ اس نے وہی لباس پہن رکھا تھا۔ ہلکا ہلکا نیلا لباس۔ جب بلیو

ڈینیوب بجا تو میں نے اسے بازوؤں میں لے لیا۔ وہ دھیمی دھیمی سریں ہمیں ایک ایسی دنیا میں لے گئیں جہاں فراق کی گھٹائیں تلی کھڑی تھیں۔ آسمان سے غم برس رہا تھا۔ آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے۔ آہوں کے طوفان بپا تھے۔

URDU4U.COM

رات کو وہ باغیچے میں ملی۔ اس نے مجھے لاکٹ دیا۔ "یہ میری امی نے مجھے دیا تھا۔ میرے پاس اور کوئی ایسی نشانی نہیں جو میں تمہیں دے سکوں۔ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھنا۔ خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔"

ہم نے پروگرام بنائے۔ اگر وہ بمبئی رہی تو میں ملنے آیا کروں گا۔ اگر وہ واپس چلی گئی تو میں تعلیم مکمل کرکے جتنی جلدی ہو سکا وہاں پہنچوں گا۔

"اور جب تم ملنے آؤ گے تو میں اسٹیشن پر تمہیں لینے آؤں گا۔ مشرقی لباس پہن کر' مشرقی خوشبو لگا کر' ہاتھوں میں چوڑیاں اور کانوں میں آویزے پہن کر۔"

چاروں طرف تاریکی تھی' حزن تھا۔ جوں جوں رات گزرتی جاتی تھی تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اداسی بڑھتی جا رہی تھی۔ تاروں کی چمک مدھم پڑتی جا رہی تھی۔

وہ بھولی بھالی حسین گڑیا بڑی پیاری پیاری باتیں کرتی رہی۔ پھر رات ختم ہونے کو آئی اور آسمان پر ہلکی ہلکی سفیدی پھیلنے لگی۔

علی الصبح وہ چلی گئی۔

اس دن میں اکیلا باہر نکل گیا۔ اداس و مغموم' جنگلوں میں پھرتا رہا۔ روح پر گہری افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ دنیا تاریک معلوم ہو رہی تھی۔ میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ دیر تک بیٹھا رہا۔

پھر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ فرینکی کھڑے مسکرا رہے تھے۔

وہ میرے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے بڑی میٹھی میٹھی باتیں کیں۔ ان کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ایسی شفقت تھی جیسے میں ان کا برسوں پرانا رفیق ہوں۔ ہماری عمروں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہم دونوں ہم عمر لڑکے ہیں۔

میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ وہ کہنے لگے "تمہیں تو آج مسرور ہونا چاہیے۔ جب خدا کسی پر خوش ہوتا ہے تو اسے محبت عطا کرتا ہے۔ تمہیں وہ عطیہ ملا ہے جو بہت کم انسانوں کو ملتا ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ تمہیں اس کی ذرا بھی توقع نہیں تھی تمہیں محبت ملی اور پھر کیسی پیاری لڑکی کی معصوم محبت۔ حالات پر تمہارا قابو نہیں۔ وقت کے سیل کو تم نہیں روک سکتے۔ تم دونوں کو جدا ہونا تھا۔ ایسے دل آویز لمحے لافانی ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں لیکن ان کی یاد رہ جاتی ہے اور یہ یاد زندگی کے اداس لمحوں کو جگمگاتی ہے۔ کیسا کیف آور خیال ہے کہ کبھی تمہیں ایک بھولی بھالی مخلص لڑکی نے چاہا تھا اور شاید اب بھی دنیا کے کسی گوشے میں وہ تمہیں یاد کر لیتی ہے۔ کتنی حسین یاد ہے۔ سب کچھ فنا ہو جاتا ہے لیکن یادیں فنا نہیں ہوتیں۔ یادیں زندگی بنتی ہیں۔"

انہوں نے ایسی اچھی اچھی باتیں کیں کہ میں مسکرانے لگا۔ ہم مسکراتے ہوئے واپس لوٹے۔ شام کو خوب بولنگ ہوئی۔ اب وہ سیدھی گیندیں پھینکنے لگے تھے۔ کبھی کبھار بریک بھی کرا لیتے تھے۔ ایک دفعہ تو انہوں نے مجھے آؤٹ بھی کر دیا۔

رات کو روشنی کے سامنے انہوں نے ہاتھوں کے سائے سے جانور اور پرندے بنائے۔ تتلی' خرگوش' کتا' بطخ۔ میں نے بھی سیکھے۔ سایوں سایوں کی آپس میں جھوٹ موٹ کی لڑائیاں بھی ہوئیں۔

کلب میں رقص تھا وہ مجھے ساتھ لے گئے۔ میرے لئے ہال کی سب سے حسین لڑکی چن کر لائے۔ جب ہم بلیو ڈینیوب پر رقص کر رہے تھے تو میں کیسا اداس ہو گیا۔ جیسے میرے بازوؤں میں روبی آ گئی۔ میں اتنا غمگین ہوا کہ کونے میں اکیلا جا بیٹھا۔ فرینکی مسکراتے ہوئے آئے' میرے کندھے کو تھپتھپایا۔ "بھتیجے! تم بھول جاتے ہو کہ زندگی بے حد مختصر ہے اور یہ لمحے کبھی دوبارہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ نہ جانے کتنی مرتبہ بلیو ڈینیوب بجے گا۔ ہر دفعہ رقص کے لے نیا ساتھی ملے گا۔ لیکن تمہیں ہر بار مسکراتے ہوئے رقص کرنا ہو گا' اپنے ساتھی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔ یہ تمہارا فرض

ہے۔ ورنہ زندگی تم سے بیزار ہو کر تمہیں پیچھے چھوڑ جائے گی۔ جاؤ اس لڑکی سے پھر رقص کے لئے کہو۔"

ایک روز پارسل ملا' روبی نے بھیجا تھا۔ میرا سویٹر جس پر میرے نام کا پہلا حرف لکھا تھا۔ روبی کی ایک نہایت اچھی تصویر' چند کڑھے ہوئے رومال اور کچھ کھلونے۔ بے بی کے لئے۔" ساتھ ہی ایک خط جس میں لکھا تھا کہ وہ اپنے چچا کے ساتھ یورپ جا رہی ہے۔ خط کی عبارت میں اتنا خلوص اور پیار تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ معصوم سی حسین روح میرے سامنے کھڑی باتیں کر رہی ہے۔

فرینکی نے ایک اور پروگرام بنایا۔ ہم گلمرگ سے پہلگام گئے' ولر گئے۔ چشموں پر گئے' پہاڑی چوٹیوں پر چڑھے۔ جنگلوں میں خیمے لگتے' الاؤ کے گرد بیٹھ کر درختوں کے تنوں پر سایوں سے تصویریں بناتے' ماؤتھ آرگن کے ساتھ گانے گائے جاتے۔ پرندوں کے رنگین پر' پتھروں کے گول چمکیلے ٹکڑے' خود رو پھول۔ ہمارے پروں اور پھولوں کے البم بھر گئے۔ فرینکی نے مچھلیاں اور پرندے پکڑنے کی بہت سی ترکیبیں بتائیں' جانوروں کو بیوقوف بنانے کے طریقے بتائے۔ تاش کے کھیل سکھائے۔ دوسرے ملکوں کی باتیں سنائیں۔ دنیا بے حد دلچسپ معلوم ہونے لگی۔

جب واپس گلمرگ پہنچے تو مجھے معلوم ہوا کہ میری چھٹیاں ختم ہو چکی ہیں اور کالج کبھی کا کھل چکا ہے۔ فرینکی بھی کچھ عرصے کے بعد وہاں سے جا رہے تھے۔ افغانستان کی طرف اپنے کسی دوست سے ملنے' جہاں شکار کا پروگرام تھا۔

جب میں وہاں سے چلا تو وہ مجھے چھوڑنے سری نگر تک آئے۔ انہوں نے مجھے اپنی تصویر دی جس پر لکھا تھا۔ "بے بی کے لئے انکل فرینکی کی طرف سے۔"

علی الصبح مجھے روانہ ہونا تھا وہ رات ہم نے ڈل کے کنارے ٹہل کر گزاری۔ ہم نے خوب باتیں کیں۔ انہوں نے مجھے اپنی زندگی کے قصے سنائے۔ "کہنے کو تو میری عمر کافی ہے اور میں زندگی کا بیشتر حصہ گزار چکا ہوں' لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے

میں نے زندگی ابھی ابھی شروع کی ہے۔ مجھے دنیا کی نفیس ترین چیزوں سے محبت ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے محبت ہے۔ اندھیری رات کے چمکتے ہوئے تاروں سے محبت ہے۔ وہ قوس قزح بڑی پیاری لگتی ہے جو کمان کی طرح کسی وادی پر محیط کر جائے۔ سچائی' خلوص اور محبت پر اب تک میرا اعتقاد ہے۔ ایک مخلص دوست میرے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ میں صرف خلوص پر زندہ ہوں۔ یہی میری زندگی کا سرمایہ ہے' یہی میرا ماضی ہے' یہی مستقبل۔ میں نے زندگی سے اور کچھ نہیں مانگا۔ زندگی کا ہر سال گزر کر میری عمر میں جمع نہیں ہوتا بلکہ کم ہو جاتا ہے۔ اب بھی میں پھولوں اور تتلیوں کو کسی اور دنیا کی مخلوق سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہر رات ایک نئی کائنات تخلیق ہوتی ہے' جب انسان سو جاتے ہیں تو چاندنی میں پریاں اترتی ہیں۔ دنیا کا گوشہ گوشہ نقشے میں موجود ہے' لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ کہیں نہ کہیں ایک ایسا جزیرہ ضرور ہے جس میں انسان نے آج تک قدم نہیں رکھا۔ اس جزیرے میں ایسے ایسے رنگ ہیں جو انسانی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھے۔ طرح طرح کے خوشنما پرندے ہیں جن کے چہچہوں میں ایسی موسیقی ہے جس سے انسان ناآشنا ہے۔ اس کا کونہ کونہ پر اسرار اور مسحور ہے اور وہ جزیرہ اس سیاح کا منتظر ہے جو کسی دن کشتی لے کر چپکے سے آ جائے گا۔"

چلتے وقت میں نے وعدہ کیا کہ میں کبھی غمگین نہیں ہوں گا۔ ہمیشہ مسکراتا رہوں گا۔

کالج پہنچ کر میں نے ان کی باتیں دوستوں کو سنائیں۔ ان کے خط آتے رہے۔ افغانستان سے وہ کہیں اور جا رہے تھے۔

ایک روز کرکٹ کا میچ تھا۔ بلیزر کی جیب میں ان کی تصویر تھی۔ میں نے کھلاڑیوں کو دکھائی۔ ان میں سے چند تو چونک پڑے۔

"یہ تمہارے دوست کیسے بنے؟"

میں نے بتایا کہ میں انہیں بولنگ سکھایا کرتا تھا۔ بڑی محنت کے بعد وہ اس قابل ہو

گئے تھے کہ سیدھی گیند پھینک سکیں۔

"بولنگ سکھایا کرتے تھے ان کو؟"

"ہاں"

"جانتے ہو یہ کون ہیں؟ آسٹریلیا کے مشہور و معروف باؤلر' اپنے وقت میں دنیا کے بہترین باؤلر رہ چکے ہیں۔"

URDU4U.COM

لیکن مجھے یقین نہ آیا۔ پھر انہوں نے ایک کرکٹ کی کتاب میں فرینکی کی تصویر دکھائی۔

"لیکن میں نے سچ مچ انہیں بولنگ سکھائی تھی۔"

میرا خواب مذاق اڑا۔

اس وقت میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ لیکن بعد میں سمجھا۔ اس پر رونق جگہ میں جس طرح میں تنہا اور اداس تھا اسی طرح شاید فرینکی بھی تنہا اور اداس تھے۔

شروع شروع میں کرکٹ ہی انہیں ایسا موضوع مل سکا جو ہم دونوں میں مشترکہ تھا۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ہمارے نظریے' ہمارے خیالات' ہمارے مشاغل یکساں تھے۔

ہمارے دل ہم عمر تھے۔

اور ہم دونوں میں سے "بے بی" کون تھا؟ میں یا وہ؟ یا شاید دونوں!

○○○

• تعویذ

چار بجے شیطان چائے پینے آئے۔ جب ہم پی کر باہر نکلے تو دفعتہ انہیں محسوس ہوا کہ چائے ٹھنڈی تھی۔ چنانچہ ہم ان کے ہوسٹل گئے۔ وہاں کھولتی ہوئی چائے پی گئی' لیکن وہ مطمئن نہ ہوئے۔ منہ بنا کر بولے کہ یہ چائے بھی نامکمل رہی' کیونکہ اس کے ساتھ لوازمات نہیں تھے۔ طے ہوا کہ کسی کیفے میں جا کر باقاعدہ چائے پی جائے۔

مصیبت یہ ہے کہ شیطان کو ہر وقت چماس لگی رہتی ہے اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں' جنہیں دن میں دو مرتبہ قیامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک تو جب علی الصبح نو دس بجے اٹھتے ہیں' تو ان کے سامنے دنیا اندھیر ہوتی ہے اور وہ سوچتے ہیں کہ "منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید" لیکن چائے کی چند پیالیوں کے بعد انہیں یکایک پتا چلتا ہے کہ "عشق کے امتحان اور بھی ہیں" یہی تماشا چار بجے چائے کے وقت ہوتا ہے۔ ساڑھے تین بجے زندگی سے بیزار ہوتے ہیں اور ساڑھے چار بجے ان جیسا مسخرہ ملنا محال ہے۔ اگر وہ چائے کی دریافت سے پہلے اس دنیا میں ہوتے تو خدا جانے ان کا کیا حال ہوتا۔

ہم سائیکلوں پر ٹہلتے ٹہلتے کیفے میں پہنچے جہاں ہمیں اکثر بڈی (Buddy) ملا کرتا تھا۔ اندر جا کر دیکھا تو سب کچھ سنسان پڑا تھا' فقط ایک کونے میں ایک نحیف و نزار نوجوان بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ ہم اس کے قریب جا بیٹھے۔ ہماری طرف اس کی پشت تھی۔ سسکیوں کی آواز نے ہمیں چونکا دیا' وہ سبڑ سبڑ رو رہا تھا۔ چہرے سے پھسلتے ہوئے آنسو سینڈوچز' کیک کے ٹکڑوں اور چائے کی پیالی میں ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ غور سے دیکھتے ہیں تو یہ امجد تھا۔ امجد ہمارا پرانا دوس تھا جو مدت سے لاپتہ تھا۔ ہم اس کی میز پر جا بیٹھے۔ بسور بسور کر اس نے علیک سلیک کی اور پھر رونے میں مصروف ہو گیا۔ شیطان بولے' دیکھئے مولانا' اگر آپ سینڈوچز یا چائے کے سلسلے میں رو رہے ہیں تو بہتر یہی ہو گا کہ کم از کم یہاں سب کے سامنے نہ روئیں۔ کیونکہ جس شخص نے یہ چیزیں تیار کی ہیں

گفتگو کے موضوع بدلتے رہے اور ہم نے امجد سے لے کر امجد تک گفتگو کی۔

شیطان بولے "بھئی' تمہاری مصیبتیں تو اتنی ہیں کہ ایک Guardian Angel تمہارا کام نہیں کر سکتا۔ تمہارے لئے تو فرشتوں کا سنڈیکیٹ بیٹھے گا۔"

URDU4U.COM

بڈی نے کہا۔ "تم آج سے ورزش شروع کر دو۔ ہلکی پھلکی اور مقوی غذا کھاؤ۔ علی الصبح اٹھ کر لمبے لمبے سانس لیا کرو۔ قوت ارادی پیدا کرو۔ خوب محنت کرکے امتحان پاس کر لو۔ ملازمت ضرور مل جائے گی اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" ادھر امجد نے اور زیادہ رونا شروع کر دیا۔ اب تو وہ باقاعدہ بھوں بھوں رو رہا تھا۔ آخر طے ہوا کہ امجد کی سچ مچ مدد کی جائے اور کل پھر یہیں ملاقات ہو۔

اگلے روز ہم سب وہیں ملے۔ اتفاق سے کالج کی چند لڑکیاں بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ ایسے موقعوں پر میں ہمیشہ یوں ظاہر کیا کرتا ہوں جیسے میں شیطان کے ساتھ نہیں ہوں کیونکہ ہمارے کالج کی لڑکیاں شیطان کو پسند نہی کرتیں۔ جتنی دیر وہ ہماری طرف دیکھتی رہیں' میں کسی اور طرف دیکھتا رہا۔ ان کے جانے پر گفتگو شروع ہوئی۔

"امجد! تم موسیقی پر فدا ہو جاؤ۔" شیطان بولے "یہ پیازی ساڑھی والی لڑکی بڑا اچھا ستار بجاتی ہے۔ تمہیں کوئی ساز بجانا آتا ہے؟"

"ہاں"

"کون سا؟"

"گراموفون"

"تب تم موسیقی کو پسند نہیں کرو گے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم آخری مرتبہ اس لڑکی سے ملے تو کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

"میں نے اسے شادی کے لئے کہا تھا۔ اور یہ کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ نہ کچھ کما سکتا ہوں' نہ کسی قابل ہوں۔ نہ کچھ کر سکتا ہوں اور نہ کچھ کر سکوں گا۔"

"پھر؟"

"پھر اس نے کچھ بھی نہیں کہا اور آج تک خاموش ہے۔"

"تمہارے ہونے والے خسر اچھے خاصے قبر رسیدہ بزرگ ہیں۔ میں انہیں بالکل پسند نہیں کرتا۔ لیکن لڑکی بہت اچھی ہے۔ جتنے تم شکل و صورت میں بخشے ہوئے ہو' اتنی ہی وہ حسین ہے۔ تمہیں احساس کمتری ہو جائے گا۔ بھلا کبھی تمہاری خط و کتابت بھی ہوئی تھی؟"

"ہوئی تھی" کہہ کر امجد نے خطوط کا پلندہ میز پر رکھ دیا۔ شیطان نے جلدی سے خطوط کو سونگھا اور بولے "جلدی ہے اس لئے ساری باتیں تو کبھی فرصت میں پڑھیں گے' البتہ میں خطوط کو ترتیب وار رکھ کر صرف القاب پڑھ کر سناتا ہوں۔"

ترتیب وار القاب یہ تھے۔ "جناب امجد صاحب' امجد صاحب' امجد' پیارے امجد' میرے امجد' امجد ڈارلنگ' امجد ڈارلنگ' میرے امجد' پیارے امجد' امجد' امجد صاحب' جناب امجد صاحب"

ادھر امجد نے پھر رونا شروع کر دیا۔ شیطان بولے "میں رات بھر سوچتا رہا ہوں کہ تمہارے لئے کیا کیا جائے۔ یہاں سے بہت دور جنگلوں میں ایک پہنچے ہوئے بزرگ رہتے ہیں۔ ان تک میری رسای ہو سکتی ہے۔ اچھا تعویذ گنڈوں پر کس کس کا اعتقاد ہے؟"

سوائے بڈی کے ہم سب معتقد تھے۔ بڈی نے پوچھا۔ "تعویذ گنڈے کیا ہوتے ہیں؟"

"کیا امریکہ میں تعویذ وغیرہ نہیں ہوتے؟"

"نہیں تو"

جب بڈی کو سب کچھ بتایا گیا تو وہ بولا "ہمارے ہاں Good Luck کے لئے شگون ہوتے ہیں۔ مثلاً سیاہ بلی کا دیکھنا یا سڑک پر گھوڑے کی نعل مل جانا۔ یہ تعویذ وغیرہ نہیں ہوتے۔ لیکن مجھے شگونوں پر اعتقاد نہیں۔ کیونکہ ایک مرتبہ میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ نجومی نے بتایا کہ اگر مجھے اگلے اتوار کو غروب آفتاب سے پہلے سڑک پر گھوڑے کی نعل مل گئی تو بہت اچھا شگون ہو گا اور غالباً اس لڑکی سے میری شادی ہو جائے گی۔ اگلے اتوار کو میں نے منہ اندھیرے اٹھ کر سڑکیں ناپنا شروع کر دیں۔ دوپہر ہوئی' سہ پہر آیا۔ گھوڑے کی نعل تو کیا کسی گدھے کی نعل بھی نہ ملی۔ آخر میں نے

اصطبلوں کا رخ کیا۔ وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ شام ہونے پر میں بہت گھبرایا۔ ہمارے پڑوس میں ایک گھوڑا رہتا تھا۔ میں چند اوزار اٹھائے' اپنے بھائی کو ساتھ لیا۔ اور چپکے سے اس گھوڑے کو باندھ بوندھ کر رکھ دیا۔ گھوڑا ہر گز رضامند نہیں تھا' لیکن ہم نے زبردستی اس کی نعل اتار لی۔ باہر نکل کر دیکھا تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ اگلے روز میں نے اس لڑکی سے شادی کے لئے کہہ دیا اور اس نے کسی اور سے شادی کر لی۔ تب سے گھوڑے کی نعل سے میرا اعتقاد اٹھ گیا۔ کیا لغویت ہے۔ اگر گھوڑے کی نعل اتنی ہی مبارک چیز ہے' تو گھوڑوں کو بے حد خوش نصیب ہونا چاہیے۔"

"لیکن تمہارا واسطہ مشرق کے عاملوں سے نہیں پڑا۔ یہاں تو ایسے ایسے عمل کیے جاتے ہیں کہ سن کر یقین نہیں آتا۔ شکلیں بدل جاتی ہیں۔ تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا بدل جاتی ہے۔"

"اچھا؟"

"ہاں! تم نے پیروں' فقیروں اور سنیاسیوں کے متعلق نہیں پڑھا؟"

"میں نے فلموں میں دیکھا ہے کہ ہندوستان میں بڑی بڑی پر اسرار باتیں ہوتی ہیں۔ یہاں کے فقیر کچھ پڑھ کر ایک رسے پر پھونک دیتے ہیں' رسہ سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ رسے پر چڑھ جاتے ہیں۔ رات کو وہ میخوں کے بستر پر سوتے ہیں۔"

"یقیناً! تم خود دیکھ لو گے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ امجد کے لئے ان بزرگ سے تعویذ حاصل کروں۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ اول تو وہ بزرگ کسی کو تعویذ دیتے ہی نہیں۔ اگر کبھی خوش ہو کر دیتے ہیں تو صرف سال میں ایک آدھ مرتبہ۔ لیکن میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دوں گا۔ ان کا تعویذ جادو سے کم اثر نہیں رکھتا۔ ناممکن سے ناممکن باتیں ممکن ہو جاتی ہیں۔ اگر مل گیا تو امجد کی تقدیر بدل جائے گی۔ اور امجد! تمہیں میری ہدایت پر عمل کرنا ہو گا۔ اب تمہارے لئے صرف دو باتیں رہ گئی ہیں یا تو میری ہدایات پر عمل کرو اور یا' پھر ان پر عمل کرو۔"

شیطان نے ایک لمبی چوڑی فہرست بنائی۔ امجد دو دن بھوکا رہے گا۔ صرف اسے بکری کا دودھ اور چھوہارے ملیں گے۔ وہ کسی سے بات نہیں کرے گا۔ دوسرے روز شام کو حجامت کرائے گا' پھر سفید لباس پہن کر عطر لگا کر رات بھر ایک وظیفہ پڑھے گا۔ اگلے روز تالاب میں کھڑا ہو کر دعا مانگے گا اور سورج کی پہلی شعاع کے ساتھ اس کے بازو پر تعویذ باندھ دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ

امجد نے فقط ایک اعتراض کیا۔ وہ یہ کہہ کر وہ سر پر استرا ہرگز نہیں پھروائے گا البتہ قینچی سے حجامت کرا لے گا۔

شیطان ایک ہفتے تک غائب رہے۔ پھر یکایک تعویذ لے کر نازل ہوئے۔ پہلے تو ان بزرگ کے متعلق باتیں سنائیں کہ انہوں نے اپنی ساری عمر جنگلوں میں گزاری ہے۔ بہت کم کھاتے ہیں۔ بولتے تو بالکل نہیں۔ کوئی شخص ان کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا۔ ان کے کمالات معجزوں سے کم نہیں۔ ان سے تعویذ حاصل کرنا بالکل ناممکن ہے۔ لیکن شیطان اپنی خوش قسمتی اور محض اتفاق سے کامیاب ہوئے ہیں۔ ہم ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔

شیطان نے رومال کھول کر ہمیں تعویذ کی زیارت کرائی۔ تعویذ موم جامے میں لپٹا ہوا تھا اور اس سے عنبر کی ہلکی ہلکی مہک آ رہی تھی۔ میں نے اور امجد نے اسے بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ بڈی نے بھی ہماری تقلید کی۔

امجد دو روز شیطان کے ساتھ رہا۔ تیسرے روز اس کے داہنے بازو پر تعویذ باندھا گیا۔ شیطان ایک فاتحانہ انداز میں بولے "لو بھیا! سمجھ لو کہ آج تمہاری قسمت جاگ اٹھی۔ اب اس مقدس طاقت کے کرشمے دیکھو۔"

ہم نے چند روز بعد امجد کو دیکھا۔ بسورتے ہوئے چہرے پر اب مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ لباس بھی پہلے سے بہتر تھا۔ آہستہ آہستہ تعویذ کی برکت سے تبدیلیاں آنی شروع ہو گئیں۔ اب ہر کام کے لئے امجد کا جی کرنے لگا۔ وہ چست ہو گیا تھا۔ اب یا تو وہ نہایت شوخ ٹائی لگاتا اور یا رنگین سکارف پہنتا۔ ہمیشہ اس کے کوٹ کے کاج میں ایک

بازار' ڈاک خانہ' کیفے' سینما' باغ اور جہاں بھی وہ جاتے یہ ساتھ رہتا۔ یہاں تک کہ وہ پچاس ساٹھ میل دور ایک جگہ گئے۔ امجد بھی پچاس ساٹھ میل دور اسی جگہ گیا۔ انہوں نے بہتیرا کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ انٹرویو میں تمہارا ضرور خیال رکھوں گا۔ لیکن شیطان کی ہدایت کے مطابق امجد بولا کہ وعدہ نہیں ابھی لے لیجئے۔ انہوں نے اسے دھمکایا چمکایا بھی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کہنے لگا کہ میں ساری عمر اسی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ آخر وہ اس قدر تنگ آ گئے کہ انہوں نے امجد کو منتخب کر لیا۔ اس کامیابی پر ایک زبردست دعوت ہوئی۔ تعویذ پر اب پیتل کا خول چڑھایا گیا اور ہر وقت اسے معطر رکھا جاتا تھا۔ شیطان کی معرفت ان بزرگ کے لئے کچھ نہ کچھ نذرانہ بھی بھیجا گیا جسے انہوں نے بمشکل قبول کیا۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ میں بھی ایک تعویذ اپنے لئے بنواؤں گا۔ بڈی نے بھی شیطان سے یہی خواہش ظاہر کی۔

اب اس لڑکی کی باری آئی۔ سب سے پہلے تو وہاں رسائی کا سوال تھا۔ ان کا نیا کتا نہایت ہی ہیب ناک اور آدم خور قسم کا تھا۔ اسے دیکھ کر ہی امجد کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی تھی۔ بڈی نے مشورہ دیا کہ کچھ کھلا پلا دیا جائے' جس سے انا للہ ہو جائے۔ لیکن وہ کتا کچھ ایسا بوژوا ذہنیت کا واقع ہوا تھا کہ ایسی ویسی چیزوں کو سونگھتا تک نہیں تھا۔ شیطان نے ایک موٹا سا ڈنڈا امجد کو دیا اور کہا کہ اسے ہاتھ میں لے کر جاؤ اور مار مار کر کتے کا بھرتہ بنا دو۔ امجد کانپ اٹھا۔ گڑگڑا کر بولا۔ خدا کا واسطہ' میں یہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ شیطان نے تعویذ چھو کر کہا۔ جانتے بھی ہو یہ کیا چیز ہے' تمہارے بازو پر؟ یہ تعویذ ہمیشہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ خواہ تم شیروں سے دل لگی کرتے پھرو' بال تک بیکا نہ ہو گا۔ کافی لمبی بحث کے بعد امجد مانا۔ اگلے روز علی الصبح امجد ہاتھ میں ڈنڈا لے کر ان کے ہاں گیا۔ کتا باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ امجد نے کتے کی ایسی مرمت کی کہ طبیعت صاف کر دی۔ اسی دن سے امجد اور کتا بڑے گہرے دوست بن گئے۔ امجد کو دیکھ کر وہ نہ صرف دم ہلاتا' بلکہ باقاعدہ مزاج پرسی کرکے ساتھ ساتھ چلتا۔

وہ صاحب جو گھر آیا کرتے تھے' ان کے لئے بھی یہی نسخہ پیش کیا گیا۔ لیکن بڈی نہ مانا' بولا کہ کتے اور انسان میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔ بہتر ہو گا کہ پہلے انہیں دھمکایا چمکایا جائے۔ وہ صاحب قد میں امجد سے دگنے تھے' امجد پہلے تو بہت ڈرا لیکن جب شیطان نے ڈانٹ کر کہا کہ اس طرح وہ اپنی نہیں بلکہ تعویذ کی توہین کر رہا ہے' اور اسے کوئی چھو تک نہیں سکتا' تو امجد ان صاحب سے ملا اور انہیں صاف صاف بتا دیا کہ خبردار جو آئندہ اس گھر میں قدم رکھا۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ میاں تم ہو کون؟ یہ بولا کہ "میں کوئی بھی ہوں لیکن یہ واضح رہے کہ میں نے آپ جیسے بہت سوں کو دیکھا ہے۔ بس خیریت اسی میں ہے کہ آئندہ آپ اس گھر کا رخ نہ کریں۔"

امجد نے کچھ اس طرح گفتگو کی کہ وہ صاحب واقعی سہم گئے۔ امجد نے چلتے وقت کہا کہ میرا ارادہ تو کچھ اور تھا' لیکن فی الحال صرف انتباہ کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ سمجھدار ہیں تو سمجھ جائیں گے۔ اس دن کے بعد وہ صاحب ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

امجد لڑکی سے ملا۔ خدا جانے کیا باتیں ہوئیں' لیکن سنیچر کو ان دونوں کو میٹنی پر دیکھا گیا۔ لڑکی واقعی نہایت پیاری تھی۔ امجد اس کے سامنے بالکل حکم کا غلام معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن خوب اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔

بڈی تو اب تعویذ پر باقاعدہ ایمان لے آیا تھا۔ بولا کہ میں یہ سب کچھ لکھ کر امریکہ کے سب سے مشہور سائنس کے رسالے میں بھیجوں گا۔ میں نے اس قدر زود اثر اور کارآمد عمل آج تک نہیں دیکھا۔ یہ کسی جادو سے کم نہیں۔ معجزے ابھی ختم نہیں ہوئے۔ مشرق واقعی نہایت پراسرار جگہ ہے۔

تعویذ پر چاندی کا خول چڑھایا گیا۔ ہر دوسرے تیسرے روز ہم سب اسے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے۔

اب امجد کی تمام مشکلیں حل ہو چکی تھیں' صرف اس کی شادی باقی تھی۔ لیکن یہ مشکل سب سے کڑی تھی' کیونکہ اس کے ہونے والے خسر واقعی نہایت گرم خشک انسان

تھے۔ امجد نے کئی مرتبہ پیغام بھجوایا' لیکن ہر مرتبہ پیغام واپس لوٹا دیا گیا۔
شیطان نے امجد کو یقین دلایا کہ اس تعویذ کے سامنے وہ بزرگ تو کیا ان کے فرشتے بھی سر جھکائیں گے۔ تم آج ہی ان سے ملو اور بغیر کسی تمہید کے ان سے سب کچھ کہہ ڈالو۔ امجد نے یہی کیا۔ بزرگ نے ملاقات کی وجہ پوچھی۔ امجد نے صاف صاف کہہ دیا کہ قبلہ میں آپ کا آنریری فرزند بننا چاہتا ہوں اور آپ کی دختر نیک اختر سے عقد کا خواہش مند ہوں۔ اس مرتبہ آپ ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ اگر آپ بحث کرنا چاہتے ہیں' تو بسم اللہ۔ پہلے آپ کو میرے شہزادے پن پر اعتراض تھا' سو اب یہ خاکسار باقاعدہ ملازم ہے۔ اگرچہ تنخواہ صرف ڈھائی سو روپے ماہوار ہے لیکن اوپر کی آمدنی کافی ہے۔ مانا کہ یہ بہت زیادہ نہیں' لیکن گستاخی معاف جب آپ کی شادی ہوئی تھی تب آپ کیا کماتے تھے اور تب آپ کے خیالات کیا تھے؟ خصوصاً اپنے خسر صاحب کے متعلق۔ یقیناً آپ بالکل میری طرح ہوں گے اور پھر شروع شروع میں ڈھائی سو روپے اتنی بری تنخواہ نہیں جبکہ اوپر کی آمدنی بھی شامل ہو۔ شاید آپ یہ فرمائیں گے کہ آپ اپنے رشتہ داروں سے اس سلسلے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ سو یہ بالکل غلط ہے۔ میں نے اپنے کسی رشتہ دار سے نہیں پوچھا اور پھر رشتہ دار بالکل الٹے سیدھے مشورے دیں گے۔ یہ ایک ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں کسی اور کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ آج آپ کو ہاں کرنی ہو گی۔ اسی طرح امجد نے وہ داہنے اور بائیں ہاتھ دیے کہ ان بزرگ کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور ہاں کرنی ہی پڑی۔

اسی شام کو ایک بھاری جشن منعقد ہوا۔ تعویذ پر سونے کا خول چڑھایا گیا۔ شیطان کی معرفت ان پہنچے ہوئے بزرگ کو نذرانہ بھیجا گیا۔ میں نے اور بڈی نے شیطان کی بڑی منتیں کیں کہ کسی طرح ایک ایک تعویذ ہمارے لئے بھی لا دو' تا کہ ہمارے بھی دن پھر جائیں۔ شیطان نے وعدہ کیا کہ وہ کوشش کریں گے۔ ہم تقریباً ہر روز تعویذ کو آنکھوں سے اور دل سے لگاتے۔

میں اور بڈی کیفے میں بیٹھے امجد اور مسز امجد کا انتظار کر رہے تھے۔ ہم بڑے مسرور تھے

کیونکہ شام کو شیطان نے تعویذ لانے کا وعدہ کیا تھا۔ ہم دونوں دل ہی دل میں اپنے مستقبل کے متعلق پروگرام بنا رہے تھے کہ امجد اور مسز امجد پہنچے۔ آج امجد ایسا دلیر' نڈر اور بے پروا نوجوان نظر آ رہا تھا' جس کی آنکھوں میں چمک تھی' جس کے دل میں امنگیں تھیں اور جس نے ایک بہت اچھا سوٹ پہن رکھا تھا۔ باتوں باتوں میں اس شام کا بھی ذکر ہوا جب امجد کو ہم نے اسی جگہ روتے پیٹتے دیکھا تھا' مسز امجد کے فراق میں۔

صرف چند مہینوں میں کیا سے کیا ہو گیا۔ صرف ایک مقدس عمل کی بدولت۔ اس تعویذ کی برکت سے جو امجد کے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ شیطان نے بھی دوستی کا حق ادا کر دیا تھا۔ نہ جانے کن کن مصیبتوں کے بعد یہ تعویذ دستیاب ہوا ہو گا۔ اگر آج امجد کے پاس یہ تعویذ نہ ہوتا' تو غالباً وہ پھر یہیں بیٹھا سینڈوچز اور کیک کے ٹکڑوں پر آنسو بکھیر رہا ہوتا۔ اور اب ہمیں بھی ایسے تعویذ ملیں گے' ہمیں اپنے اوپر رشک آنے لگا۔ بار بار ہم دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے' شیطان کے انتظار میں۔

بڈی نے تعویذ کی زیارت کرنی چاہی۔ امجد نے نہایت حفاظت سے تعویذ اتارا اور بڈی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ بڈی نے اسے چوما' آنکھوں سے لگایا اور پوچھا۔ "بھلا تعویذوں میں کیا لکھا ہوتا ہے؟" ہم نے کہا کہ عبارت ہوتی ہے۔ بڈی سمجھ نہ سکا۔ اسے بتایا گیا کہ مقدس الفاظ ہوتے ہیں اور ایک خاص ترتیب سے لکھے جاتے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ بھلا اس تعویذ میں کون سے الفاظ ہیں؟ ہم نے لاعلمی ظاہر کی۔ بڈی کہنے لگا کیوں نہ اسے کھول کر دیکھیں۔

امجد بولا' ہرگز نہیں۔ اس طرح بے ادبی ہوتی ہے۔ میں نے بھی کہا کہ گناہ ہو گا لیکن بڈی نہ مانا۔ بولا' مجھے بڑا اشتیاق ہے۔ سارا گناہ میرے ذمے رہا۔ میں نہایت ادب سے اسے کھولوں گا اور الفاظ دیکھ کر بالکل اسی طرح بند کردوں گا' پھر تم اسے بازو پر باندھ لینا۔

میں بھی سوچنے لگا کہ بھلا دیکھیں تو سہی وہ کون سے الفاظ ہیں' جنہوں نے جادو کی طرح اثر دکھایا۔ میں نے بھی بڈی کا ساتھ دیا۔ امجد کہنے لگا کہ کھولنے سے تعویذ کی تاثیر

جاتی رہے گی۔ بڈی بولا' بھئی سچ پوچھو تو اب اس تعویذ نے اپنا کام کر دکھایا ہے' اب تمہیں کسی مزید تاثیر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے مسز امجد سے پوچھا۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ آخر امجد بھی مان گیا۔ اس شرط پر کہ اگر کوئی گناہ ہوا تو بڈی کے سر پر ہو گا۔

بڈی نے بڑی حفاظت سے خول کھولا اور تعویذ نکالا۔ پھر آہستہ آہستہ موم جامہ کھولنے لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے پہنچے ہوئے بزرگوں کے نورانی چہرے' فقیروں کے مزار' سبز غلاف' پھولوں کے ہار' جلتے ہوئے چراغ' مزاروں کے گنبد اور خانقاہیں پھرنے لگیں۔ جیسے عنبر اور لوبان کی خوشبو سے سب کچھ مہک اٹھا اور پاکیزہ روحیں ہمارے گرد منڈلانے لگیں۔ فرشتوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ ماحول کچھ ایسا مقدس ہو گیا تھا کہ میرا دل دھڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔

بڈی نے تعویذ کا کاغذ کھولا اور پڑھنے لگا۔ میں رہ نہ سکا۔ بڑی بے صبری سے کاغذ چھین لیا۔ کاغذ پر شیطان کی مخصوص طرز تحریر میں یہ مصرعہ لکھا تھا۔ "آیا کرو ادھر بھی مری جاں کبھی کبھی"

○○○

• ننانوے ناٹ آؤٹ

بڑی مشکلوں سے ہم نے وہ میچ جیتا یا یوں کہئے کہ ہارتے ہارتے بچے۔ سب سے زیادہ سکور مقصود گھوڑے کا تھا۔ اس نے صبح سے کھیلنا شروع کیا' کوئی سٹروک ایسا نہ تھا' جو اس نے نہ دکھایا ہو۔ باؤلرز کو خوب سزا دی اور دو گھنٹے کے بعد تین رنز بنائیں۔ اس کے بعد جو اچھل اچھل کر کھیلا ہے' تو دوپہر تک تین سے دس تک سکور پہنچا دیا۔ لنچ کے بعد وہ بے حد تیز کھیلا۔ آگے بڑھ بڑھ کر وہ ہٹیں لگائیں کہ پانچ رنز کا اضافہ اور کر دیا۔ جب ہم شام کو رو پیٹ کر جیتے اور آخری کھلاڑی نے آخری ہٹ لگائی تو مقصود گھوڑا بیس رنز بنا چکا تھا۔

ہمارے مخالف بھی کافی گئے گزرے تھے۔ وہ بھی اسی طرح کھیلے تھے۔ ان کی بولنگ کا یہ حال تھا کہ گیارہ کھلاڑیوں میں سے دس نے بولنگ کی تھی اور گیارہواں وکٹ کیپر تھا' لہٰذا مجبور تھا۔ ورنہ وہ بھی حسب توفیق مدد کرتا۔ کھیل دیکھنے والوں کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ دونوں ٹیموں کو یہ ڈر نہیں ہے کہ کہیں ہار نہ جائیں بلکہ یہ خطرہ ہے کہ کہیں جیت نہ جائیں۔

میں مقصود گھوڑے کو لے کر شیطان کے ہوسٹل میں پہنچا۔ ان کے کمرے میں مدھم روشنی میں ایک بڑے سے پلنگ پر چند حضرات رضائیاں اوڑھے کھانا کھا رہے تھے۔ شیطان بولے "سردی زیادہ ہے اور ہم تھکے ہوئے ہیں۔" انہوں نے ہمارے لئے رضائی منگائی اور ہم بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ مقصود گھوڑے نے پوچھا۔ "روفی صاحب آپ کیسے ہیں؟"

شیطان بولے "میں بفضل خدا تعالیٰ بخیریت ہوں اور خیر و عافیت آپ کی خداوند کریم سے نیک مطلوب ہوں۔ دیگر احوال یہ ہے کہ میں تندرست ہوں۔"

"میں نے سیکنڈ شو کے لئے کہا اور پوچھا "اب کیا بجا ہو گا؟"

شیطان گھڑی دیکھ کر بولے "جمعرات ہے۔"

ویسے سینما میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ شیطان کہنے لگے "ایک گھنٹے کا کیا ہے' دس منٹ میں گزر جائے گا۔ آج سینما اسی طرح چلیں گے۔ رضائیاں اوڑھ کر اور نوکر حقہ ساتھ لے کر چلے گا۔"

URDU4U.COM

اس پر بڑی بحث ہوئی۔ مقصود گھوڑے نے کہا۔ "میں تو یہی مشورہ دوں گا کہ رضائیاں اوڑھ کر نہ چلیں بلکہ ....."

شیطان جلدی سے بولے "میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ مجھے مشورہ نہ دیں۔ آج رضائیاں اوڑھ کر چلنا ہو گا' سردی بہت ہے۔"

"اوور کوٹ پہن لو۔" میں نے کہا۔

"یہ اوور کوٹ کم بخت ایسا ہے کہ اسے پہن کر اور زیادہ سردی لگتی ہے۔"

"یہ وہی اوور کوٹ تو نہیں' جسے الٹوایا گیا تھا؟"

"ہاں' وہی ہے۔ پہلے اسے الٹوایا گیا تھا' پھر سیدھا کرایا گیا ہے۔ لیکن کوئی فرق نہیں پڑا۔"

"یہ روشنی بہت مدھم ہے۔" کسی نے کہا۔

شیطان نے نوکر سے پوچھا۔ "کیوں یہ بلب کتنے ہارس پاور کا لائے ہو؟"

اس غریب نے بلب کی ہارس پاور بتا دی۔

شیطان بولے "آج بجلی ہی بہت کم آ رہی ہے۔"

شیطان چلتے وقت اپنی عینک ڈھونڈنے لگے۔ کسی نے بتایا کہ ایک عینک تو ان کی ناک پر رکھی ہے۔

بولے "آج کل میرے پاس تین عینکیں ہیں۔ ایک دور کی چیزیں دیکھنے کے لئے' دوسری نزدیک کی چیزوں کے لئے اور تیسری ان دونوں کو ڈھونڈنے کے لئے۔"

میں یہی سوچ رہا تھا کہ اگر جج صاحب کے کنبے میں سے کسی نے مجھے دیکھ لیا تو کیا کہیں گے۔ ذرا سی دیر میں ہم ٹھنڈی سڑک پر رضائیاں اوڑھے جا رہے تھے اور ہمارے

پیچھے نوکر حقہ تھامے آ رہا تھا۔

سینما پہنچے' وہاں اتفاق سے میری نگاہ جج صاحب کی موٹر پر جا پڑی۔ میں نے اندر جاتے وقت اپنی رضائی تو مقصود گھوڑے کے اوپر پھینکی اور شیطان کی نظر بچا کر دور جا بیٹھا۔ پیچھے مڑ کر جو دیکھتا ہوں' تو جج صاحب بیٹھے تھے۔ میں بالکل سیٹ میں دھنس گیا کہ کہیں نظر نہ آؤں' مگر ذرا سی دیر میں ننھی میرے سامنے کھڑی تھی۔ مجھے پیچھے جانا پڑا اور ننھی کی سیٹ ملی۔ جج صاحب نے پہلے تو میرے نہ آنے کی شکایت کی۔ میں نے امتحان کا بہانہ بنا دیا۔

پھر پوچھا "تمہارے ساتھ وہ خواتین کون تھیں؟"

"کون سی خواتین؟"

"ابھی ابھی جو تمہارے ساتھ تھیں' وہ جو سامنے بیٹھی ہیں۔" انہوں نے شیطان وغیرہ کی طرف اشارہ کیا' جو حقہ پی رہے تھے۔

"ارے لاحول ولا قوہ یہ خواتین تو حقہ پی رہی ہیں۔" وہ چونک کر بولے۔

"جی نہیں' یہ خواتین نہیں ہیں کچھ اور ہی ہیں۔"

"میں کہہ جو رہا ہوں کہ خواتین ہیں۔ غضب خدا کا! مستورات کو حقہ پیتے میں آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔"

میں نے کن انکھیوں سے رضیہ کو دیکھا جو کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ان دنوں رضیہ مجھ سے روٹھی ہوئی تھی۔ میں کافی بیزار تھا اور شیطان مجھ سے بیزار تھے۔ بار بار وہ یہی کہتی کہ "میاں اگر بس یا لڑکی ہاتھ سے نکل جائے' تو ذرا فکر نہیں کرنا چاہیے۔ دوسری ابھی آتی ہو گی۔"

ان دنوں جتنا میں اسے منانے کی کوشش کرتا' اتنا وہ اور روٹھ جاتی۔ روٹھنے کی وجہ تھی ایک لڑکی' جو ٹینس میں میری پارٹنر تھی۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا' لیکن سب اسے "عینک" کہا کرتے۔ اس کے خدوخال میں سب سے نمایاں چیز اس کی عینک تھی۔ بڑی لمبی چوڑی اور وزنی عینک۔ اگر میں رضیہ کی جگہ ہوتا تو ہرگز بدگمان نہ ہوتا۔ ننھی نے

ہمیں چند مرتبہ اکٹھے دیکھا اور رضیہ سے کہہ دیا۔ پھر ایک شام کو عینک نے کہا کہ "میرے ڈیڈی شام کی ٹرین سے گزر رہے ہیں' مجھے اسٹیشن پر لے چلئے۔" اس کے پاس سائیکل نہیں تھی اور ٹرین میں بہت تھوڑا وقت تھا۔ میں اسے لے کر نکلا ہی تھا کہ رضیہ اور حکومت آپا مل گئیں۔ ادھر اسٹیشن پر ہمیں ایک نہایت ہی کرخت قسم کے دراز ریش بزرگ ملے' جنہیں ہرگز ڈیڈی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

میرا اور شیطان کا امتحان نزدیک تھا۔ اس لئے ہم دونوں جج صاحب کے مکان سے ہوسٹلوں میں چلے آئے تھے۔ ان دنوں جج صاحب بڑی سرعت سے کوٹھیاں بدل رہے تھے۔ شیطان جب کبھی ان سے ملتے یہی پوچھتے کہ آج کل آپ کہاں رہتے ہیں۔ ان کی پہلی کوٹھی میں ہمارے رہتے ہوئے چوری ہوئی۔ جج کے ہاں چوری! صبح صبح پتہ چلا کہ رات کو چوری ہوئی' لیکن سب چیزیں جوں کی توں موجود تھیں۔ پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ چرایا گیا ہے۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ چور محض تفریحاً آئے تھے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ میرے سارے کپ' جو انگیٹھی پر اور الماریوں میں رکھے تھے' غائب ہیں۔ خوب چمکیلے اور بڑے بڑے کپ تھے۔ شاید چور نے انہیں اصلی چاندی کے برتن سمجھا۔

وہ کوٹھی ویسے تھی بھی سنسان سی جگہ میں۔ ایک مرتبہ سارا کنبہ کسی دوسرے شہر میں گیا ہوا تھا۔ میں اور شیطان سیکنڈ شو دیکھ کر دیر سے لوٹے۔ کوٹھی میں بالکل اندھیرا تھا۔ ہم دیوار کود کر چھوٹے راستے سے اندر چلے آئے۔ اندھیرے میں آہٹ سنائی دی۔ دبے پاؤں جا کر دیکھتے ہیں' تو ایک صاحب تالا کھولنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ ہم انتظار کرتے رہے۔ جب تالا کھل گیا' تو شیطان نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "یار بڑے افسوس کی بات ہے۔"

انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی' لیکن ہم نے انہیں کہیں نہ جانے دیا۔ اندر لے آئے۔ انہیں چائے پلائی گئی۔ چاکلیٹ کھلائے گئے۔ پھر کپوں کے متعلق پوچھا گیا۔ انہوں نے قسم کھائی کہ انہوں نے نہیں چرائے۔ اگر وہ چوری کرتے بھی تو کپ کبھی نہ چراتے۔

سپورٹس مین معلوم ہوتے تھے۔ ہم نے ہاتھ ملا کر انہیں رخصت کیا۔ جج صاحب نے پھر کوٹھی بدلی۔ نئی کوٹھی میں بجلی کی فٹنگ بالکل غلط تھی۔ پنکھا چلاؤ تو قمقمے جلتے تھے۔ ٹیلیفون کرو تو پنکھا چلتا تھا۔ ریڈیو بے حد ٹھنڈا رہتا۔ ادھر فریجیڈیئر میں موسیقی سنائی دیا کرتی۔ اس مرتبہ جو کوٹھی بدلی تو پڑوس میں دن رات قوالیاں ہوتیں' بینڈ بجتے' جلسے ہوتے۔ غرضیکہ اسی طرح ہوتا رہا۔ اب جو نیا مکان ملا تو ایسی جگہ کہ آس پاس بے شمار لڑکیاں رہتی تھیں۔ سہ پہر کو لڑکیاں سکولوں اور کالجوں سے واپس لوٹتیں تو خوب رونق ہو جاتی۔ شیطان نے اس جگہ کا نام مینا بازار رکھا۔ پروگرام یہ تھا کہ امتحان ختم ہوتے ہی ہم ہوسٹل چھوڑ کر جج صاحب کے ہاں آ جائیں گے۔

جج صاحب بدستور ان خواتین کو دیکھ رہے تھے' جو حقہ پی رہی تھیں۔

رضیہ نے دوپٹہ اس انداز سے رکھا تھا کہ مجھے صرف اس کی ناک کا ذرا سا حصہ نظر آ رہا تھا۔ میرے خیال میں وہ ان تمام ناکوں سے ذرا سے حصوں سے حسین تھا جو میں نے آج تک دیکھے تھے۔ حکومت آپا مجھے بڑی بری طرح گھور رہی تھیں۔ شیطان کا خیال تھا کہ حکومت آپا کو مجھ سے ایک حسرت آمیز نفرت تھی۔

میں ننھی کو کہانیاں سنا رہا تھا۔ سنو ننھی! ایک شخص اندھیری رات میں شیر کا شکار کھیلنے ایک بہت ڈراؤنے اور تاریک جنگل میں گیا۔ شیر بولا' Hurray' اچھا ایک اور کہانی سنو۔ دو چیتے کے شکاری اور ایک چیتا۔ ایک چیتے کا شکاری اور ایک چیتا۔ اور آخر میں فقط چیتا۔ ننھی باقاعدہ ڈر گئی۔

چلتے وقت جج صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ ہمارا اگلا میچ دیکھنے ضرور آئیں گے۔

ہمارے کلب کے کپتان گیدی صاحب تھے۔ ان کا اصلی نام زیدی' مہدی یا کچھ اسی قسم کا تھا۔ ان کا قد بہت چھوٹا تھا اور بقول شیطان کے وہ سطح سمندر سے فقط ساڑھے چار فٹ بلند تھے۔ ان کے ساتھ ہر وقت ان کے دو مشیر ہوتے جو اتفاق سے کافی دراز قد تھے۔ گیدی صاحب ان کے درمیان میں چلتے۔ شیطان نے ان تینوں کا نام ایک سو

ایک (101) رکھا ہوا تھا' ان کے قدوں کے مطابق۔
ٹیم کی انتخابی کمیٹی بھی تھی' جو ایک ممبر پر مشتمل تھی' گیدی صاحب پر۔ بڈی بھی ہمارے کلب کا ممبر تھا۔ امریکہ میں اس نے بیس بال کھیلی تھی۔ چنانچہ کرکٹ بھی وہ بیس بال کی طرح کھیلتا تھا۔ ہمارے کلب کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہم لگاتار تین میچ جیت کر فائنل کھیلنے والے تھے۔
سہ پہر کو ٹیم پریکٹس کے لئے آئی۔ گیدی صاحب میچ کے لئے بیٹنگ کی ترتیب دینے لگے۔ شروع میں وہ اور مقصود گھوڑا' ساتویں وکٹ پر بڈی۔ آٹھویں پر میں اور نویں پر شیطان۔ حساب لگانے کے بعد جب شیطان کو معلوم ہوا کہ وہ گیارہویں کھلاڑی ہیں' تو مچل گئے اور گیدی صاحب سے پوچھا۔ "مجھے گیارہواں کیوں بھیجا جا رہا ہے؟"
"اس لئے کہ کوئی بارہواں نہیں ہوتا۔" جواب ملا "کپتان ہمیشہ صحیح اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کا نظریہ ہمیشہ درست ہوتا ہے۔"
شیطان بولے "ہر شخص کے دو نظریے ہوتے ہیں۔ اس کا ذاتی نظریہ اور دوسرا نظریہ' جو عموماً صحیح نکلتا ہے۔"
مصیبت یہ تھی کہ شیطان نہ بولر تھے' نہ بیٹسمین' نہ وکٹ کیپر۔ مگر ان کا دعویٰ تھا کہ اعلیٰ درجے کی ٹیم میں پانچ بہترین بیٹسمین ہونے چاہئیں' چار بہترین بولر' ایک اچھا وکٹ کیپر اور ایک روفی۔
ویسے تقریباً ہر میچ میں شیطان کا سکور صفر ہوتا۔
ہر روز جب مشرق سے سورج نکلتا ہے' تو کلیاں کھل کر پھول بن جاتی ہیں۔ تتلیاں جاگ اٹھتی ہیں۔ پرندے چہچہانے لگتے ہیں۔ ہر روز سورج ڈوبتے وقت آسمان گلابی ہو جاتا ہے۔ چاندنی رات میں ایک عجیب سا فسوں آسمان سے زمین تک چھا جاتا ہے۔ لیکن حکومت آپا کو ان باتوں کا علم تک نہ تھا۔
جب ہم جج صاحب کی کوٹھی میں پہنچے تو عجب سہانا سماں تھا۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی آخری

شعاعیں ٹہنیوں اور پتوں پر رقصاں تھیں۔ باغیچے میں ایک فوارہ چل رہا تھا۔ گلاب کے سرخ پھولوں نے جیسے آگ سی لگا رکھی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ بیکار تھا' کیونکہ نزدیک ہی حکومت آپا بیٹھی تھیں۔

URDU4U.COM

حکومت آپا مجھ سے خفا اس لئے ہوئیں کہ جب وہ موٹی ہو گئی تھیں تو میں نے ان کو دبلا ہونے کا مناسب نسخہ نہیں بتایا۔ میں نے فاقہ کشی تجویز کی مگر وہ بولیں "نہیں کوئی کھانے کی ایسی چیز بتاؤ جس سے میں دبلی ہو جاؤں۔" بڑی مصیبتوں کے بعد میں نے ان کا لنچ چھڑایا۔ ایک روز جا کر دیکھتا ہوں تو وہ چائے پر پلاؤ کھا رہی تھیں۔ اور میں نے ان کا لنچ پھر شروع کرا دیا۔

شیطان کا خیال تھا کہ وہ صبح صبح شام کلیان گایا کرتی ہیں۔ اور باتیں کرتے وقت وہ کہتی کچھ ہیں' ان کی نگاہیں کہیں اور ہوتی ہیں' دھیان کسی اور طرف اور باتوں کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔

ہمیں دیکھ کر وہ مسکرائیں۔ اور سورج غروب ہو گیا۔

کھانے کے بعد مجھے یونہی خیال آیا کہ شیطان اور حکومت آپا دیر سے غائب ہیں۔ تلاش کرنے پر دیکھتا ہوں کہ دونوں فوارے کے پاس بیٹھے ہیں اور رومان انگیز گفتگو ہو رہی ہے۔ میں چھپ کر سننے لگا۔

شیطان بولے "سچ مچ تم بہت پیاری معلوم ہو رہی ہو۔"

حکومت آپا نے کہا۔ "سچ مچ میرے پاس اس وقت روپے نہیں ہیں' ورنہ ضرور قرض دے دیتی۔"

شیطان بولے "یقیناً ان چند مہینوں میں تمہاری رنگت نکھر آئی ہے۔ جب تم جون میں آئیں' تو تمہاری جون بدلی ہوئی تھی۔"

"یقیناً میرے پاس روپے نہیں ہیں۔"

"روپے کون مانگتا ہے تم سے؟ بھلا ایسی رومان پرور فضا میں جہاں باغ کا ایک تنہا گوشہ ہو' فوارہ چل رہا ہو' چاندنی چھٹکی ہوئی ہو اور تم سامنے ہو' وہاں روپوں کا کیسے خیال

آ سکتا ہے۔ وہاں تو ایک معصوم سی آرزو دل میں کروٹ لینے لگتی ہے۔"

"سچ مچ؟" حکومت آپا شرما گئیں۔

"ہاں سچ مچ"

"بھلا اس وقت آپ کو کس چیز کی آرزو ہے؟"

"کلوروفارم کی۔" شیطان بولے "اور جانتی ہو حکومت' انسان کا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟"

"کون ہے؟"

"آئینہ! اور کئی انسان آئینے کو بھی دھوکہ دے جاتے ہیں۔ آئینہ کچھ کہے' وہ ایک نہیں سنتے۔ ان میں سے ایک تم ہو۔"

اب حکومت آپا کچھ بگڑنے لگیں۔ شیطان جلدی سے بولے۔ "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ یونہی منہ سے نکل گیا تھا۔"

پھر رومانی باتیں ہونے لگیں۔ حکومت آپا نے پوچھا۔ "رومانی ادب میں تمہاری محبوب کتاب کون سی ہے؟"

"ڈکشنری" شیطان نے جواب دیا۔

حکومت آپا شیطان کے چہرے کو غور سے دیکھتی رہیں' پھر بولیں۔ "تمہاری ناک اتنی لمبی کیوں ہے؟"

شیطان نے ایک آہ بھری اور بولے "کیا بتاؤں ناک لمبی کیوں ہے' یہ فطرت کے راز ہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ تمہارا ماتھا باہر کو کیوں نکلا ہوا ہے۔ تمہارے کان مڑے ہوئے کیوں ہیں۔ تمہارے دانت خرگوش کے دانتوں کی طرح کیوں ہیں۔ حکومت! تم ان ہستیوں میں سے ہو' جن سے اگر وقت پوچھا جائے' تو وہ گھڑی بنانے کا طریقہ بتا دیں۔ تم ان صحرا نوردوں کی طرح ہو' جو آج یہاں ہیں اور کل' کل بھی یہیں ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے سب کہتے تھے کہ اس لڑکی کا مستقبل نہایت شاندار ہے اور اب سب کہتے ہیں کہ اس لڑکی کا ماضی واقعی لاجواب ہو گا۔"

اب تو باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی اور مجھے بھی شامل ہونا پڑا۔
واپسی پر میں نے رضیہ کی بے رخی کا ذکر کیا' روٹھنے کی وجہ بتائی اور یہ بھی بتایا کہ اسی لئے میں نے عینک سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے۔
شیطان نے مشورہ دیا کہ اگر میں تمہاری جگہ ہوں تو عینک کو ہر وقت سائیکل پر بٹھائے پھروں اور رضیہ کے گھر کے سامنے ہر روز دو مرتبہ گزرا کروں تاکہ وہ اچھی طرح دیکھ لے اور یہ روٹھنا ووٹھنا سب درست ہو جائے۔ میری مانو تو آج سے تم بھی رضیہ سے روٹھ جاؤ اور عینک کے ساتھ خوب چہلیں کرو۔ پھر قدرت کا تماشا دیکھو۔
میں نے ان کو اپنا خواب سنایا۔ "کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ رضیہ نے آسمانی دوپٹہ اوڑھ رکھا ہے جس میں سنہرے تارے ہیں اور روپہلی پلو جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ اس کے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے اور ہاتھ میں رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ ہے۔"
"تو جناب آج کل خواب بھی ٹیکنی کلر دیکھتے ہیں۔ سب سے اچھا خواب جانتے ہو کیا ہے؟"
"کیا؟"
"یہی کہ کوئی خواب نہ آئے۔"
میں نے ان کو بتایا کہ جب سے رضیہ روٹھی ہے' میں تنہا سا رہتا ہوں اور میں محبت میں خوش نصیب ہرگز نہیں رہا۔
وہ بولے "محبت میں خوش نصیب صرف ایک قسم کے انسان رہتے ہیں' وہ ہیں کنوارے۔ اور میاں اگر تم اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہو یا تنہائی سے ڈرتے ہو تو ہرگز شادی مت کرنا۔"
میں نے ایک رومان شروع کیا' لیکن انہوں نے بات کاٹی اور کہا۔ محبت کی بہترین اور مختصر ترین کہانی میں تمہیں سناتا ہوں۔ سنو! لڑکا بولا' کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟
لڑکی بولی۔ نہیں۔ اور اس کے بعد وہ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔
ہمارا میچ شروع ہوا۔ کچھ چھٹیاں تھیں اور کچھ مینا بازار کا قرب۔ ویسے بھی چاروں طرف

لا تعداد اور ریٹائرڈ بزرگ رہتے تھے۔ وہ سب آئے' ساتھ بیشمار لڑکیاں آئیں۔ ہمارے کپتان نے حسب معمول ٹاس ہارا اور ہم فیلڈ کرنے چلے۔ لڑکیوں کی تعداد کا اندازہ ہمیں میدان میں پہنچ کر ہوا۔ جدھر نظر جاتی تھی' رنگ برنگے ملبوس دکھائی دیتے تھے۔

"بوائے او بوائے آج مجھے امریکہ یاد آ رہا ہے۔" بڈی بار بار کہتا۔

گیدی صاحب نے چمکتی ہوی نئی گیند میرے ہاتھ میں دی۔ میں فیلڈ جمانے لگا۔ شیطان کا اصرار تھا کہ ان کو شامیانے کی طرف بھیج دیا جائے' غالباً اس لئے کہ وہاں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ تالیاں بجیں اور بیٹسمین شامیانے سے روانہ ہوئے۔ ایک صاحب بے حد موٹے تھے اور دوسرے بالکل ذرا سے تھے اور کم عمر بھی تھے۔ کسی نے بتایا کہ یہ کسی یار جنگ بہادر کے لڑکے ہیں۔ شیطان چونک کر بولے "اچھا؟ اتنا کم عمر اور ابھی سے ایک یار جنگ بہادر کا لڑکا' کمال ہے۔"

ان موٹے تازے حضرت کا نام قلندر صاحب تھا۔ شاید قلندر بیگ ہو گا یا قلندر حسین۔ یہ نام ہمیں یوں معلوم ہوا کہ جب میری تیسری گیند ان کی توند سے چھو کر وکٹ کیپر کے برابر سے گزری' تو یار جنگ بہادر کے صاحبزادے نے ادھر سے چلا کر کہا۔ "قلندر صاحب وہیں ٹھہریئے۔" دوسری اوور میں ہمیں پتہ چلا کہ چھوٹے صاحب کا نام چنوں میاں تھا۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی ہٹ لگائی' ادھر سے قلندر صاحب چلائے۔ "چنوں میاں وہیں ٹھہریئے۔"

دیر تک یہی ہوتا رہا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو وہیں ٹھہرنے کے لئے کہتے رہے۔ ایک گیند بڈی کے سامنے سے گزری' لیکن اس نے ہاتھ تک نہیں ہلایا۔ معلوم ہوا کہ جناب لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ مفت کی باؤنڈری ہو گئی۔ قلندر صاحب نے ایک گیند ہوا میں اٹھا دی۔ شیطان اسے بخوبی کیچ کر سکتے تھے' لیکن انہوں نے گیند کی طرف دیکھا تک نہیں۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سوائے بولر اور بیٹسمین کے' ہر ایک رنگین لباسوں اور حسین چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب قلندر صاحب نے وکٹ کے سامنے ٹانگ اڑا دی اور میں نے چلا کر اپیل کی تو امپائر صاحب چونک پڑے' جیسے جاگ

کر بولے "ایں؟" پھر آہستہ آہستہ سے کہنے لگے' بھئی معاف کرنا۔ میرا دھیان کسی اور طرف تھا۔ حالانکہ یہ امپائر اچھے خاصے قبر رسیدہ بزرگ تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ہم ساری عمر بولنگ کرتے رہیں گے اور قلندر صاحب اور چنوں میاں ساری عمر کھیلتے رہیں گے۔

دفعتہً قلندر صاحب نے ایک گیند آسمان میں چڑھا دی۔ گیند اونچی ہوتی گئی حتیٰ کہ نگاہوں سے غائب ہو گئی۔ ہم سب آسمان کی طرف یوں تک رہے تھے' جیسے عید کا چاند دیکھ رہے ہوں۔ پھر ایک چھوٹا سا نقطہ نظر آیا اور ہم سب کیچ کرنے کے لئے بھاگے۔ وکٹ کیپر اور مقصود گھوڑا اتنے زور سے ٹکرائے کہ دونوں عارضی طور پر بے ہوش ہو گئے۔ ہم سب ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے۔ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ پھر گیدی صاحب للکارے "سب ہٹ جاؤ یہ کیچ میں کروں گا۔" گیدی صاحب دونوں ہاتھ یوں پھیلائے کھڑے تھے جیسے بڑے خشوع سے دعا مانگ رہے ہوں۔ گیند بلند فضاؤں سے اترنی شروع ہوئی اور گیدی صاحب نے ہاتھ اور بھی اونچے پھیلا دیئے۔ گیند نیچے آئی۔ لیکن ان کے ہاتھوں میں نہیں۔ شاید یہ گیند کی غلطی تھی۔ وہ سیدھی ان کے ہیٹ پر لگی۔ ٹپ سے آواز آئی۔ گیند اچھلی' پھر ٹپ سے ہیٹ پر گری۔ پھر اچھلی' گری اور آہستہ سے ان کی گردن پر لڑھکتی ہوئی زمین کی طرف چل دی۔ پھر یکلخت وکٹ کیپر صاحب جو آنکھیں بند کئے بے ہوش پڑے تھے' چونکے اور گرتی ہوئی گیند کو دبوچ لیا۔ ادھر گیدی صاحب دھڑام سے گرے اور کچھ دیر کے لئے بے ہوش ہو گئے۔ قلندر صاحب آؤٹ ہو گئے۔ جب وہ واپس جا رہے تھے' تو شیطان نے ان سے کہا۔ قبلہ اب آپ کے بغیر یہ میدان خالی خالی سا معلوم ہو گا۔ واقعی قلندر صاحب نہایت موٹے تھے۔

اب جو نئے صاحب آئے تو انہوں نے شیطان کو دیکھا اور فوراً پلٹ گئے' حالانکہ شیطان نے اب تک کوئی اشتیاق ظاہر نہیں کیا تھا۔

انہوں نے بتایا "آپ مجھے پہچانتے نہیں' میں وہی بیزار اختر ہوں۔"

شیطان نے بغور دیکھا اور کہا۔ "ممکن ہے کہ آپ وہی بیزار صاحب ہوں' لیکن اختر سے

میرا قد چھوٹا ہو گیا ہے۔"

اب وہ دونوں ہیں کہ باتیں کر رہے ہیں اور ہم سب انتظار کر رہے ہیں۔ آخر امپائر نے ٹوکا' تب بیزار اختر نے کھیلنا شروع کیا۔ میری پہلی ہی گیند انہوں نے ہوا میں اٹھا دی۔ ایک فیلڈر کے پاس سے گزری' لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ ایک اور فیلڈر کے پاس پہنچی' تو انہوں نے دیکھا تک نہیں۔ جب میں نے ان کا نام پکارا' تب چونک کر انہوں نے گیند اٹھائی اور ازراہ کرم میری طرف پھینک دی۔ اب یہاں تک نوبت پہنچ چکی تھی کہ جس کھلاڑی کی طرف گیند جاتی فوراً اس کا نام لے کر اسے مطلع کیا جاتا۔

چنو میاں نے گھوم کر Leg کی طرف ہٹ لگائی۔ آگے مقصود گھوڑا دنیا و مافیہا سے غافل مراقبے میں کھڑا تھا۔ دھم سے گیند اس کے پیٹ میں لگی' اس نے نعرہ لگا کر وہیں دبوچ لی۔ چنو میاں آؤٹ ہو گئے اور انہیں جاتے دیکھ کر سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ شیطان دور سے بھاگے بھاگے آئے اور میرے کان میں بولے۔ "وہ جو دو لڑکیاں نظر آ رہی ہیں' وہ چنوں میاں کی رشتہ دار معلوم ہوتی ہیں۔"

لنچ پر معلوم ہوا کہ شیطان درست کہتے تھے۔ چنو میاں ان دونوں لڑکیوں کو لے کر آئے' تعارف ہوا۔ ایک بوڑھے پروفیسر اپنی لڑکیوں سمیت آئے ہوئے تھے۔ ایک ہم جماعت بھی مل گئی۔ رضیہ منہ پھیرے بیٹھی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کہیں سے سو ڈیڑھ سو لڑکیاں اور بھی آ جائیں' تا کہ آج اس کے سامنے چہلیں کی جائیں۔

شیطان شکایت کر رہے تھے۔ "یہ ہجوم کافی بد مذاق معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے ہمارا آٹو گراف نہیں لیا۔"

لنچ کے بعد مجھے اور شیطان کو باؤنڈری پر بھیج دیا گیا۔ وہاں ہم باتیں کرنے لگے' اس لئے گیدی صاحب نے ناراض ہو کر ہمیں واپس بلا لیا اور بیٹسمین کے بالکل قریب کھڑے ہو کر فیلڈ کرنے کو کہا۔ ایسی جگہ بہت سنجیدگی سے فیلڈ کرنا پڑتا ہے۔ ہم بہت گھبرائے' یہی دعا مانگ رہے تھے کہ کہیں کوئی کیچ نہ آئے۔ تھوڑی دیر میں ہم نے پھر باتیں

شروع کر دیں۔

میں نے کچھ کہا۔ شیطان بولے۔ "ملاؤ ہاتھ اسی بات پر۔" انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور شوں سے ایک چیز آئی اور شپ سے شیطان کی ہتھیلی سے چپک گئی۔ لاحول ولا قوہ یہ تو گیند تھی۔ شیطان نے ایک نہایت لاجواب کیچ کیا تھا۔ اب ہم کھیل کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ پانچ وکٹوں پر سکور ایک سو اٹھانوے تھا اور وہ بیزار اختر صاحب بیاسی ناٹ آؤٹ تھے۔ ارے' یہ تو سنچری پر تلا ہوا ہے۔

چائے کے بعد گیدی صاحب نے نئی گیند لی' مجھے بلایا گیا۔ میں نے بڑی تیز گیندیں پھینکیں' لیکن ان بیزار صاحب پر کوئی اثر نہ ہوا نئی گیند پر وہ اور بھی محتاط ہو گئے۔ ادھر وہ قبر رسیدہ امپائر صاحب' جو دن بھر کھڑے رہ رہ کر تنگ آ چکے تھے' اپنے پرانے قصے سنا رہے تھے کہ جب میں چھوٹا تھا تو یہ کیا کرتا تھا۔ جب میں چھوٹا تھا تو یہ بات یوں تھی۔ شیطان بولے' اچھا تو کیا آپ سچ مچ کبھی چھوٹے بھی تھے؟ اور وہ ناراض ہو گئے۔ اسی خفگی میں انہوں نے میری اپیل پر نفی میں سر ہلا دیا۔ شام کو سات وکٹوں پر سکور دو سو چالیس تھا اور بیزار صاحب ننانوے ناٹ آؤٹ تھے۔

ہم زندگی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ ایک بڈی غریب تھا جو سب کو ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن اس کی باتوں پر کوئی ہنستا ہی نہ تھا۔ سب یہی کہتے کہ بھئی یہ تو میں نے پہلے سے سن رکھا ہے' حالانکہ بڈی کے لطیفے ہمیشہ نئے ہوا کرتے تھے۔

اور جب ہم بڈی کی موٹر میں واپس جا رہے تھے' تو شیطان نے تنبیہہ کی۔ "بڈی ذرا آہستہ چلاؤ' تم موٹر ہمیشہ اس طرح چلاتے ہو جیسے کسی حادثے کا ریہرسل کر رہے ہو۔"

اگلی صبح اخبار جو پڑھتے ہیں' تو اس میں شیطان کی خوب تعریفیں تھیں۔ شیطان کے ایک کیچ کا ذکر نصف کالم میں تھا اور بیزار صاحب کی خوب برائیاں کی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا تو شیطان کہنے لگے۔ "مجھے کیا پتہ؟ اخبار کا رپورٹر وہاں موجود تھا' یہ اس کی بے لاگ رائے ہے۔"

جج صاحب ملے' بولے۔ "اور کچھ بھی ہو جائے' لیکن اس لڑکے کی سنچری نہیں ہونی چاہیے۔

وہ نہایت بری طرح کھیلا ہے۔ اگر وہ ایک اور رن بنا گیا تو مجھے سخت افسوس ہو گا۔"

کھیل شروع ہوا۔ بیزار صاحب ہر ایک گیند روک رہے تھے۔ ہجوم خاموش تھا۔ سب ان کی سنچری کے منتظر تھے۔

URDU4U.COM

شیطان کو ہر اوور کے بعد باؤنڈری لائن سے پورا میدان عبور کرکے دوسری طرف باؤنڈری لائن پر جانا پڑتا تھا۔ ایک اوور میں انہیں دیر سے خیال آیا کہ اس وقت دوسری طرف ہونا چاہیے تھا اور وہ غلط جگہ کھڑے ہیں۔ وہ سرپٹ بھاگے۔ بھاگتے بھاگتے انہوں نے ایک گیند دیکھی جو ان کے قریب سے گزرنے والی تھی۔ انہوں نے رک کر یونہی پکڑ لی۔ کیچ ہو گیا' شیطان نے پھر ایک حیرت انگیز کیچ کیا تھا۔ سب نے یہی سمجھا کہ شیطان جان بوجھ کر محض اس کیچ کے لئے اتنی دور سے بھاگے تھے۔ دیر تک تالیاں بجتی رہیں۔

سکور وہی تھا' لیکن بیزار صاحب ننانوے ناٹ آؤٹ تھے اور ہم سب کے سینوں پر مونگ دل رہے تھے۔

یکایک ہجوم میں سے کسی نے چلا کر کہا کہ اس سے بولنگ کراؤ' جس نے ابھی کیچ کیا ہے۔

گیدی صاحب کو نہ جانے کیا سوجھی' شیطان کو بلا کر گیند ہاتھ میں دے دی۔ شیطان نے آج تک کبھی میچ میں بولنگ نہیں کی تھی۔

گیدی صاحب نے پوچھا۔ "تم تیز گیند پھینکتے ہو یا آہستہ؟"

شیطان بولے "مجھے کیا پتہ؟ ابھی پھینک کر دیکھوں گا۔"

انہوں نے کئی مرتبہ قدم گنے اور مختلف جگہوں پر نشان لگائے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ شیطان اور کرکٹ دونوں کے لئے معجزہ تھا اور بقول شیطان کرکٹ کی تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھے جانے کے قابل تھا۔ شیطان نے رومال سے گیند صاف کی۔ ادھر ادھر دیکھا اور عجب بے ڈھنگے طریق سے بھاگنا شروع کیا۔ وکٹوں کے پاس آ کر ان کے قدم غلط ہو گئے اور ایک نہایت ہے بیہودہ گیند انہوں نے پھینکی۔ بیزار صاحب نے آگے

بڑھ کر بڑی حقارت سے بلا گھمایا اور ایک غدر مچ گیا۔ لوگ چلانے لگے' لوگ چنگھاڑنے لگے' لوگ پاگل ہو گئے۔ میدان تالیوں سے گونج اٹھا۔ بیزار صاحب کی سنچری پر نہیں' بلکہ ان کے آؤٹ ہونے پر۔ شیطان کی اس بے ہودہ سی گیند نے اس بیہودگی سے ان کی وکٹیں اڑائیں کہ وہ ننانوے پر آؤٹ ہو گئے۔

اس کے بعد تھوڑی دیر میں ہم نے باقی کھلاڑیوں کو فارغ کر دیا۔ ساری ٹیم دو سو چالیس پر آؤٹ۔ شیطان کی خوب تعریفیں ہوئیں۔ شاباش دینے کے بہانے انہیں پیٹ کر رکھ دیا گیا۔

اب ہماری اننگز شروع ہوئی۔ میں اور عینک رضیہ کے قریب جا بیٹھے اور وہ دزدیدہ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ مخالف ٹیم فیلڈ کرنے چلی اور شیطان کیمرہ لے کر لپکے' ان کی تصویریں اتاریں۔ پھر گیدی اور مقصود گھوڑا بلے لے کر شامیانے سے نکلے۔ شیطان نے باقاعدہ پوز کرا کر ان کی کئی تصویریں اتاریں۔ لیکن ہم دیر تک شامیانے میں نہ بیٹھ سکے۔ ہمارے کھلاڑی یکے بعد دیگرے آؤٹ ہوتے چلے گئے۔ مخالف بولرز نہایت خطرناک ثابت ہوئے یا ہمارے بیٹسمین شامیانے کی طرف دیکھتے رہے۔ جو کوئی کھیلنے جاتا' وکٹوں کو ہاتھ لگا کر واپس آ جاتا۔ جب ساتویں وکٹ پر بڈی گیا تو سکور فقط چھتیس تھا۔ بڈی کے منہ میں چیونگم تھا اور ہاتھوں میں بلا جسے اس نے بیس بال کے سٹائل پر پکڑ رکھا تھا۔ جاتے ہی اس نے ترچھے بلے سے ایک چوکا لگا دیا۔ اگلی گیند پر پھر چوکا' پھر چھکا' پھر چوکا۔ غرضیکہ بولرز کے چھکے چھڑا دیئے۔ تیز اور آہستہ' ہر قسم کی بولنگ کو وہ ایک ہی لاٹھی سے ہانک رہا تھا۔ ادھر بولر چلتا' ادھر بڈی چلتا۔ جہاں گیند زمین پر پڑتی وہیں ہٹ ہو جاتی۔ لیکن بڈی بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ اس کے آؤٹ ہوتے ہی بقیہ کھلاڑی بھی نکل گئے۔ ساری ٹیم ننانوے پر آؤٹ۔ اسی ننانوے پر جو بیزار اختر اکیلے کا سکور تھا۔

جج صاحب نے فیصلہ صادر فرما دیا کہ ہم ضرور ہاریں گے۔

لنچ پر گیدی صاحب بے حد بیزار تھے۔ میں اور عینک باہر گھاس پر بیٹھے چلغوزے کھا رہے

تھے۔ وہ اپنی کسی سہیلی کا ذکر کر رہی تھی' اتنے میں شیطان آ گئے۔
آتے ہی پوچھا۔ "کیا آپ اسی لڑکی کا ذکر تو نہیں کر رہی ہیں' جو لباس بہت اچھا پہنتی ہے؟"

URDU4U.COM

"ہاں"
"اور جسے لباس جچتا بھی ہے؟"
"ہاں"
"اور جو گاتی بھی خوب ہے؟"
"ہاں"
"اور جو بلا کی حسین بھی ہے؟"
"ہاں! کیا آپ اس سے ملے ہیں؟"
"نہیں! اب تک تو دیکھی تک نہیں۔ لیکن ایسی لڑکی سے کون نہ ملنا چاہے گا؟ کیا آپ کبھی اس سے تعارف کرا دیں گے؟"
"اچھا"
شیطان اس لڑکی کو بالکل نہیں جانتے تھے' پتہ نہیں کون تھی۔ ہم دونوں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ باتیں شروع ہوئی تھیں کہ دفعتہ ہمیں ایک ایسی ہستی نظر آئی کہ شیطان کے دیوتا کوچ کر گئے۔ یہ مس ریچھ تھیں۔ ان پر شیطان چند ماہ پہلے بری طرح عاشق تھے۔ عاشق کیا تھے بالکل دیوانے بنے ہوئے تھے۔ ادھر مس موصوفہ میں کوئی ایسی بات نہیں تھی' جس پر کوئی عاشق ہوتا ہوا اچھا لگے۔ یہ نام ان کو خوب زیب دیتا تھا۔ وہ بیحد طویل و عریض تھیں۔ ان کی والدہ شیطان کو کبھی تو بہت پسند کرتی تھیں اور کبھی بہت ناپسند۔ ویسے وہ بھی اسی سانچے کی بنی ہوئی تھیں۔ بس ذرا پرانا ماڈل تھیں۔ وہ میک اپ خوب کرتی تھیں اور بعض اوقات تو وہ اپنی بیٹی سے قدرے حسین معلوم ہوتیں۔
شیطان کا خوب مذاق اڑتا۔ ریچھوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں' سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ' تو ہی ناداں چند ریچھوں پر قناعت کر گیا۔ مانا کہ ترے ریچھ

کے قابل نہیں ہوں میں۔ تو اپنا ریچھ دیکھ مرا انتظار دیکھ' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن شیطان باز نہ آئے اور اس وقت تک عاشق رہے۔ جب تک ان کا موڈ عاشقانہ رہا۔ پھر خود بخود راہ راست پر آ گئے۔ مس ریچھ سے تعارف نہایت پر لطف رہا۔ ہوا یوں کہ میں اور شیطان چھٹیوں سے واپس آ رہے تھے۔ ایک جنکشن پر گاڑی بدلی' دوسری ٹرین چلنے والی تھی۔ ہم بھاگا دوڑی میں سامان رکھوا رہے تھے کہ ہجوم میں ایک سفید ریش ضعیف شخص دکھائی دیا' جو ایک بچے کی انگلی پکڑے جا رہا تھا۔ شیطان کو ایسے موقعوں پر فوراً ترس آ جاتا ہے۔ اپنی جیبیں ٹٹول کر بولے۔ "میرے پاس فقط نوٹ ہیں۔ تمہارے پاس کچھ ٹوٹا ہوا ہو تو اس بیچارے فقیر کو دے دو۔" جلدی تھی' گھبراہٹ میں کچھ ملتا ہی نہ تھا۔ بڑی مشکل سے دو آنے ملے۔ جلدی سے اس فقیر کو دیئے اور قلیوں کے پیچھے بھاگے۔ ڈبے میں کافی جگہ تھی' گاڑی چلنے سے ذرا دیر پہلے کسی کا بہت سامان آ گیا۔ اس کے بعد ایک سالم کنبہ اور بعد میں وہی فقیر اس بچے کے ساتھ آیا اور بیٹھ گیا۔ سارا کنبہ اسے ابا جان ابا جان کہہ رہا تھا۔ لاحول ولا قوہ! ہم بڑے شرمندہ ہوئے۔ وہ بزرگ جو ہمیں اس وقت فقیر معلوم ہوئے تھے' نہایت معزز قسم کے مالدار حضرت نکلے۔ کچھ تو ان کا لباس ضرورت سے زیادہ سادہ تھا' کچھ ہم ضرورت سے زیادہ گھبرائے ہوئے تھے اور کچھ شیطان کو ضرورت سے زیادہ ترس آ گیا۔ انہوں نے ہمارے دو آنے واپس کئے اور بڑے مزے کی باتیں ہوئیں۔ اسی کنبے میں مس ریچھ بھی تھیں۔ بس شیطان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' فوراً عاشق ہو گئے۔ واپسی پر بڑی بو بتایا گیا' وہ بولا "شاید یہ پانچویں لڑکی ہے' جس پر تم اس سال عاشق ہوئے ہو۔"

شیطان نے فوراً تصحیح کی "نہیں چوتھی ہے۔ ایک لڑکی پر میں دو مرتبہ عاشق ہوا تھا۔"

وہ تو شیطان کی خوش قسمتی سے مس ریچھ نے ہمیں دیکھا نہیں' ورنہ سیدھی ہماری طرف آتیں۔

ہم فیلڈ کرنے جا رہے تھے تو ننھی آئی' کہنے لگی "آپ اس طرح گیند کیوں نہیں پھینکتے؟"

پوچھا "کس طرح؟"

بولی "اسی طرح جیسے اس روز پھینکی تھیں۔"

پوچھا "کس روز؟"

بولی "میں بھول گئی' ٹھہریے ابھی پوچھ کر بتاتی ہوں۔"

اور سیدھی رضیہ کے پاس گئی۔ اچھا تو یہ سلطانہ رضیہ صاحبہ ہمیں ہدایات دے رہی تھیں۔

ننھی نے مجھے ایک کاغذ کا پرزہ لا کر دیا' میں نے سر ہلا کر کہا۔ "اچھا"

گیدی صاحب غلطی پر غلطی کر رہے تھے۔ انہوں نے شیطان سے خواہ مخواہ بولنگ کرائی۔ شیطان کی خوب پٹائی ہوئی۔ پھر گیدی صاحب کو جو جوش آیا تو انہوں نے خود بولنگ شروع کی اور وہ معمولی گیندیں پھینکیں' جن کے متعلق ان کا ذاتی خیال یہ تھا کہ Googly ہیں' لیکن تھیں وہ بالکل سیدھی گیندیں۔ سکور خوب بڑھتا جا رہا تھا۔ شیطان بار بار مجھ سے شرط لگاتے۔ "دس روپے کی شرط رہی۔ چنو میاں پچاس سے اوپر سکور کریں گے۔" میں انکار کرتا تو وہ فوراً کہتے "اچھا تو پھر لگاتے ہو دس روپے کی چنو میاں پچاس سے نیچے سکور کریں گے۔" میں برابر انکار کرتا رہا۔ تب میں بالکل کنگال تھا۔

چائے پر ان کے چار کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے اور سکور ڈیڑھ سو تھا۔ ننھی نے پھر ایک کاغذ کا پرزہ لا کر دیا اور پھر میں نے سر ہلا کر کہا "اچھا"

وہ پھر آئی' بولی "آپا کہہ رہی ہیں کہ آپ نے ہمارا کہنا نہیں مانا۔"

میں نے کہا "ابھی مانتا ہوں۔"

میں نے گیدی صاحب کو بڑی مشکل سے منایا۔ نئے سرے سے Leg پر چھ کھلاڑیوں کی فیلڈ جمائی۔ دن بھر کے کھیل سے وکٹ کافی خراب ہو چکی تھی۔ پہلی گیند ایسی تیز بریک ہوئی کہ میں حیران رہ گیا۔ خود بخود اس طرح کے بریک ہو رہے تھے۔ گیدی صاحب نے چونک کر کہا۔ "یہ اتنے تیز بریک تم نے کب سے شروع کئے؟"

میں نے کہا "آج سے' بلکہ ابھی سے۔"

ایک ہٹ کو بڑی صاحب نے یوں دبوچ لیا' جیسے کوئی اڑتے ہوئے بٹیر کو دبوچ لے۔

یہ بیزار صاحب آؤٹ ہوئے تھے۔ جب بیزار صاحب شامیانے کی طرف جا رہے تھے' تو ان کے آؤٹ ہونے پر سب خوش تھے' سوائے بیزار صاحب کے۔

اگلی گیند کو کھلاڑی نے گلانس کیا اور بڈی نے زمین پر لیٹ کر گیند پکڑ لی۔ اب تو شور مچ گیا۔ دو گیندوں پر دو کھلاڑی آؤٹ۔ آوازیں آ رہی تھیں کہ ہیٹ ٹرک کرو' ہیٹ ٹرک کرو۔ لوگ طرح طرح کے مشورے دے رہے تھے۔ ہیٹ ٹرک کا خیال ہی ایسا ہے کہ ماتھے پر پسینہ آ جاتا ہے۔ میں نے سوچا ووچا کچھ نہیں' دور سے بھاگا بھاگا آیا اور Leg Stump پر گیند پھینک دی۔ بالکل معمولی سی گیند تھی' چنانچہ کھلاڑی نے گھوم کر ہٹ لگائی۔ گیدی صاحب نے اچھل کر ہوا میں کیچ کرنے کی کوشش کی۔ ان کا ہاتھ پہنچا بھی' گیند ہاتھ سے چھوئی بھی لیکن کچھ نہ بنا۔ فقط گیند کا رخ بدل گیا۔ وکٹ کیپر نے بایاں ہاتھ ہوا میں لہرایا' لیکن کیچ پھر بھی نہ ہوا۔ مگر اس کے Glove سے ٹکرا کر گیند پھر اچھلی اور رخ بدل گیا۔ اتنے میں بڈی بجلی کی طرح تڑپا اور گرتی گیند آناً فاناً دبوچ لی۔ ہیٹ ٹرک ہو گیا' سچ مچ کا ہیٹ ٹرک۔

گیدی صاحب نے اپنا چھوٹا سا ہیٹ میرے سر پر رکھ دیا۔ میں نے وہی ہیٹ بڈی کے سر پر رکھ دیا۔ میرے اگلے اوور میں بڈی نے Leg کی طرف ایک اور بہت اچھا کیچ کیا۔ ایک کیچ مقصود گھوڑے نے کافی دور لانگ لیگ پر کیا۔ ایک سو اٹھاون پر ساری ٹیم آؤٹ۔ چھ وکٹیں میری تھیں۔ محض Leg پر بولنگ کی بدولت۔ اور یہ مشورہ رضیہ کا تھا' ہماری ٹیم اب چست ہو گئی تھی۔ سب کے چہروں پر امید جھلک رہی تھی۔

عینک نے دوڑ کر میرا استقبال کیا۔ شیطان دوڑے دوڑے آئے اور میرے کان میں سرگوشی کی۔ "اگر تم مجھے کسی طرح ریچھ سے محفوظ رکھ سکو تو کل کے اخبار میں تمہاری تعریفیں ہی تعریفیں ہوں گی۔"

پوچھا "کیونکر؟"

بولے "رپورٹر میرا دوست ہے اور سب کچھ میرے کمرے میں بیٹھ کر لکھتا ہے۔"

میں انہیں سیدھا حکومت آپا کے پاس چھوڑ آیا' جہاں ریچھ تو کیا جن بھوت بھی نہیں

پھٹک سکتے تھے۔ ننھی نے مجھے ایک چاکلیٹ دیا۔ پوچھا "کس نے دیا ہے؟"

بولی "آپا نے۔"

پوچھا "کون سی آپا نے؟"

بولی "نہیں بتاتے۔"

میں نے سر ہلا کر کہا "ہم نہیں لیتے۔"

بولی "ان آپا نے۔"

میں نے ایک پرزے پر شکریہ لکھ کر اسے دے دیا اور کہا "یہ رضو کو دینا۔"

بولی "آپ ہماری آپا کا ادب نہیں کرتے' صرف رضو کہتے ہیں۔"

میں نے کہا "آپا واپا ہوں گی تمہاری' ہمارے لئے تو وہ صرف رضو ہیں۔"

"میں ابھی جا کر بتاتی ہوں۔" اس نے دھمکی دی۔

اب ہمیں جیتنے کے لئے پوری تین سو رنز درکار تھیں۔ برابر ہونے کے لئے دو سو ننانوے اور ہارنے کے لئے دو سو اٹھانوے یا اس سے کم۔ شام ہو چکی تھی اور فقط تیس پینتیس منٹ باقی تھے۔ روشنی کم ہوتی جا رہی تھی۔ گیدی صاحب اور ان کے لمبے لمبے مشیروں نے کچھ کانفرنس سی کی اور یہ فیصلہ سنایا "اگر شروع کے اچھے کھلاڑی اس وقت گئے تو کہیں آؤٹ نہ ہو جائیں۔ بہتر یہی ہو گا کہ اناڑیوں میں سے دو کو بھیج دیا جائے۔ اگر وہ آؤٹ بھی ہو گئے' تو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ ممکن ہے کہ وہ وقت پورا کر دیں۔"

بڈی کو اور مجھے چنا گیا۔ ہمیں بیشمار ہدایات دی گئیں۔ ہم دونوں میں سے آج تک کوئی اننگز کے شروع میں نہیں گیا تھا۔ بڈی کی خاص طور پر منتیں کی گئیں کہ بس گیند روک لینا' ہٹ وغیرہ ابھی مت لگانا۔

جب ہم دونوں بلے لے کر میدان میں گئے تو چاروں طرف تالیاں بج رہی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کوئی بہت مشہور کھلاڑی ہوں اور ابھی کچھ کا کچھ کرکے رکھ دوں گا۔

کھیل شروع ہوا' چمکتی ہوئی نئی گیند بجلی کی طرح آتی اور جھلک دکھا کر نہ جانے کہاں غائب ہو جاتی۔ میں دیکھتا رہ جاتا۔ ادھر بڈی بھی حیران کھڑا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے' وہ بھی گیند نہ چھو سکا۔ تیسرے اوور میں گیند اور بلے کی ملاقات ہوئی۔ گیند بولر کے ہاتھ سے نکلی Off پر تھی' ارادہ کیا کہ کٹ کروں۔ ابھی پاؤں اٹھایا ہی تھا کہ گیند کا رخ بدل گیا' سوچا کہ ڈرائیو کروں۔ رخ پھر بدل گیا۔ میں ہک کی تیاری کر رہا تھا کہ پھر ایک دم روکنے میں مصلحت سمجھی اور گلانس خواہ مخواہ ہو گیا۔ گیند نہایت تیز تھی' اس لئے باؤنڈری ہو گئی۔ اب کچھ ہمت بندھی۔ جہاں گیند زمین سے چھوتی اچھل کر وہیں اسے روک لیتا۔ میں بالکل کرکٹ کی کتاب کی نقل کر رہا تھا۔ سیدھے بلے سے جب گیند کو آئینہ دکھاتا' تو نعرے لگتے "شاٹلش" "بہت اچھے"

بڈی کو گیند روکنا مصیبت ہو گئی۔ ہر گیند پر وہ ہٹ لگانے کے لئے بلا اٹھاتا' لیکن پھر کچھ سوچ کر صرف روکنے پر اکتفا کرتا۔ مگر ایسے عجیب طریقے سے روکتا جیسے بلے سے گیند کو زمین پر ٹھوک رہا ہو۔ اس نے تھوڑی ہی دیر میں نئی گیند کی چمک دمک سب اتار کے رکھ دی۔

خدا خدا کرکے وقت ختم ہوا۔ جب ہم تالیوں کے شور میں واپس لوٹے تو میں گیارہ ناٹ آؤٹ تھا اور بڈی پندرہ ناٹ آؤٹ۔

رات کو میں نے شیطان سے تصویروں کے متعلق پوچھا کہ "فلم کب دھلواؤ گے؟"

بولے "کون سی فلم؟"

کہا "آج جو تصویریں اتاری ہیں' وہ فلم؟"

بولے "کیمرہ تو خالی تھا۔ آج کل فلمیں ملتی کہاں ہیں؟"

پوچھا "تو پھر تصویریں اتارنے کا کیا مسخرا پن تھا؟"

بولے "ویسے ہی ذرا لطف رہتا ہے۔ ہاتھ میں کیمرہ ہو تو انسان ذرا سمارٹ معلوم ہوتا ہے۔"

اگلے روز اخبارات میں میری خوب تعریفیں تھیں۔ لطف یہ ہے کہ بولنگ کا اتنا ذکر نہیں

تھا' جتنا کہ بیٹنگ کا۔ یہ سب شیطان کی کرامات تھی۔

اگلی صبح جج صاحب نے مجھے مشورہ دیا کہ بس گیندیں روکتے رہنا۔ باہر جاتی ہوئی گیند کو ہرگز مت چھوؤ اور زبردستی ہٹ مت لگاؤ۔ سکور خود بخود ہوتا رہے گا۔

کھیل شروع ہوا۔ ہم گیندیں روک رہے تھے۔ جو گیند سیدھی آتی' اسے روک لیتے' جو باہر جاتی اسے چھوڑ دیتے۔ تھوڑی دیر میں ہمیں پتہ چلا کہ رنز خود بخود ہو رہے ہیں۔ ہم دونوں نے سکور سو تک پہنچا دیا۔ بڑی آہستہ آہستہ اپنی اصلیت پر آ رہا تھا۔ پھر شپ سے کسی نے اس کا کیچ کر لیا اور بیالیس رنز کرکے وہ آؤٹ ہو گیا۔ گیدی صاحب آئے' لیکن بہت ڈرے ہوئے تھے۔ ایک معمولی سی گیند پر وہ آؤٹ ہو گے۔ آؤٹ ہوتے ہی انہوں نے نعرہ لگایا کہ "بہت اچھی گیند تھی' گگلی تھی۔" اور بولر کی تعریفیں کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ مقصود گھوڑا آیا' اس نے ذرا کھیل جما دیا۔ مجھے اب گیند فٹ بال جتنی دکھائی دے رہی تھی۔

ہم لنچ کے لئے گئے تو سورج بھی لنچ کے لئے چلا گیا اور بادلوں میں جا چھپا۔ لنچ کے بعد ایک ہی اوور میں ہمارے دو کھلاڑی نکل گئے۔ دو سو پر نئی گیند آئی اور مجھے ایک مرتبہ پھر قیامت کا سامنا کرنا پڑا۔

میں آہستہ آہستہ تھکتا جا رہا تھا۔ اب مجھے پتہ چلا کہ بیٹنگ بہت مشکل چیز ہے۔ آج تک کبھی اتنی دیر وکٹوں پر ٹھہرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میری ٹانگیں شل ہو چکی تھیں' کمر بری طرح دکھ رہی تھی۔ میرا سکور ستر ناٹ آؤٹ تھا' میں نے آج تک کبھی اتنا سکور نہیں کیا تھا۔ سب کہہ رہے تھے کہ سنچری کرو۔ لیکن میرا بھاگنے کو بالکل جی نہ چاہتا تھا۔ چائے پر ہمارا سکور ڈھائی سو تھا۔ شیطان اور عینک کی سہیلی باتیں کر رہے تھے۔ وہ بولی "مجھے لیفٹ ہینڈر زیادہ پسند ہیں۔ کیونکہ وہ کھیلتے ہوئے بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔"

اس پر شیطان نے سرگوشی کی "میں آج بائیں ہاتھ سے کھیلوں گا۔ اگرچہ میں نے بولنگ داہنے ہاتھ سے کی ہے اور پھر یہ کرکٹ تو ہے بھی میرے بائیں ہاتھ کا کھیل۔"

پھر مجھے ایک طرف لے جا کر کہنے لگے "اس لڑکی نے مجھ میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ تم دیکھنا کہ آج میں کیسا کھیلتا ہوں۔ اور ہاں آج رضیہ دن بھر اداس رہی ہے۔ روٹھنا وٹھنا سب ختم ہو چکا ہے۔ جب بلائے بیشک چلے جانا اور "مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت" والا برتاؤ کرنا۔"

چائے کے بعد پہلی گیند پر ایک وکٹ نکل گئی۔ اب ایک ایک گیند پر تالی بجتی تھی۔ سکور کرو یا نہ کرو' ہٹ لگاؤ یا نہ لگاؤ' چاہے گیند روکتے رہو یا صاف چھوڑ دو۔ شور ضرور مچتا تھا۔

یکلخت ہجوم خاموش ہو گیا۔ چاروں طرف ناامیدی سی چھا گئی۔ اب آخری کھلاڑی آ رہا تھا۔ شیطان اپنی عینک سنبھالتے' بلا گھماتے' ایک عجب شان سے تشریف لا رہے تھے۔ آتے ہی انہوں نے لیفٹ ہینڈر کا سٹائل بنایا۔ میں نے بڑی منتیں کیں کہ آج داہنے ہاتھ ہی سے کھیلو' یہ بائیں ہاتھ کا شوق کبھی پھر پورا کر لینا۔

بولے "ہرگز نہیں' تم دیکھنا تو سہی اگر زندگی نے وفا کی تو سکور پورا کرکے دکھاؤں گا۔ جب میں جیتنے کی ہٹ لگاؤں تو عینک کی سہیلی کا چہرہ فخر سے اونچا ہو جائے گا۔"

شیطان کے محبوب سٹروک دو ہیں۔ لیگ بائی اور آف بائی۔ کبھی گیند پیڈوں سے بچ کر بلے میں بھی لگ جاتی ہے اور جب بلے سے نکل جائے تو لازمی طور پر وکٹوں میں جاتی ہے۔ آؤٹ ہونے کے بعد شیطان ہمیشہ بلے کو اس انداز سے دیکھتے ہیں جیسے اس میں کہیں سوراخ تھا' جس میں سے گیند نکل گئی۔

پہلی گیند شیطان کی ٹھوڑی کے نیچے سے نکل گئی۔ دوسری گھٹنوں میں سے' تیسری ناک کو چھوتی ہوئی گئی۔ چوتھی کمر میں لگی۔ لیکن شیطان لیفٹ ہینڈر کا اسٹائل بنائے کھڑے رہے۔

پہلے اوور کے بعد شیطان مجھ سے ملنے آئے۔ ہجوم نے سمجھا کہ کھیل کے سلسلے میں مشورہ لینے آئے ہوں گے' خوب تالیاں بجیں۔ شیطان نے کان میں کہا "وہ دیکھو شامیانے کے اس کونے میں عینک کی سہیلی بیٹھی ہے۔"

میں نے بتایا کہ یہ تو کوئی اور ہے اور ساتھ ہی انہیں عینک کے شیشے صاف کرنے کو کہا۔ انہوں نے شیشے صاف کئے اور بولے "تو وہ ہجوم میں کہیں ہو گی۔ کاش کہ اس وقت ایک دور بین ہوتی۔ اور یہ پوائنٹ پر جو کھلاڑی کھڑا ہے' اس کی مونچھیں مجھے آؤٹ کرائیں گی۔"

اگلے اوور کے بعد پھر مجھے ملے' بولے "جانتے ہو یہ وکٹ کیپر عینک کی سہیلی کا کوئی عزیز ہے۔ بیچارے نے آج ایک بھی کیچ نہیں کیا۔ جی چاہتا ہے کہ اسے ایک کیچ کرا دوں۔" میں نے پھر ان کی منتیں کیں اور وہ بمشکل باز آئے۔

شیطان اتنی بری طرح کھیل رہے تھے کہ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ شیطان اس وقت کرکٹ نہیں کھیل رہے تھے' بلکہ گتکا' کبڈی' ہائی جمپ اور بہت سی چیزیں ملا کر تماشے کر رہے تھے۔

مخالف بولر بولا "یہ بیٹنگ کیسی ہو رہی ہے؟"

"اور یہ بولنگ کیسی ہو رہی ہے؟" شیطان نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اچھل کر ایک آف بائی سکور کی۔ اب وہ وکٹوں کے چاروں طرف کھیل رہے تھے اور بائی پر بائی سکور ہو رہی تھی۔ سکور دو سو اسی ہو گیا۔ میں پچانوے ناٹ آؤٹ تھا اور شیطان نے دس بائی سکور کی تھیں۔ میں اس قدر تھک چکا تھا کہ مجھے نہ کوئی سکور کا چاؤ تھا' نہ کسی میچ کا۔ بس یہی جی چاہتا تھا کہ پیڈ وغیرہ اتار کر یہیں گھاس پر لیٹ جاؤں۔

ایک گیند پر بائی لگا کر شیطان نے مجھے بلایا۔ میں چلا' اتنے میں گیند واپس آ گئی' وہ چلائے "واپس جاؤ" میں بری طرح بھاگا۔ گیند بہت تیز تھی اس لئے دوسری طرف نکل گئی۔ انہوں نے پھر بلایا' میں پھر گیا' گیند واپس آ گئی' پھر واپس بھاگا۔ ہم دونوں خوب بھاگے دوڑے' لیکن سکور کچھ نہ ہوا۔ اگلی گیند پر شیطان نے پھر یہی حرکت کی۔ اس دفعہ تو میں رن آؤٹ ہوتا ہوتا بچا۔

شیطان اور وکٹ کیپر خوب مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔ شیطان نے اسے کھانے

پر مدعو کیا۔ آخری اوور آیا اور میں نے دل کڑا کرکے ایک چوکا لگا دیا۔ اب میں ننانوے ناٹ آؤٹ تھا۔ اگلی گیند کو گلانس کیا اور شیطان کو بلایا۔ وہ نہیں آئے۔ چوتھی گیند پر پھر بلایا' وہ پھر وہیں کھڑے رہے۔ وقت ختم ہو گیا۔ سکور دو سو پچاسی تھا اور میں وہی ننانوے ناٹ آؤٹ۔

شیطان کہنے لگا "میاں یہ ننانوے کا پھیر بہت برا ہوتا ہے۔ یہ ہندسہ ہمارے لئے بہت منحوس ہے۔ کہیں کل تمہارے ساتھ ان کا باؤلر وہی سلوک نہ کرے' جو میں نے بیزار صاحب کے ساتھ کیا تھا' جب وہ ننانوے ناٹ آؤٹ تھے۔"

میں نے ان سے پوچھا "یہ آخری اوور میں کیا حرکت کی تھی' میرے بلانے پر کیوں نہیں آئے؟"

بولے "اس لئے کہ اب اس خاکسار کی دو آرزوئیں ہیں۔ پہلی یہ کہ تمہاری سنچری ہرگز نہ ہو' ورنہ ہم اناڑیوں کے زمرے سے نکل کر اپنے آپ کو بیٹسمین سمجھنے لگو گے۔ دوسری یہ کہ جیتنے کی ہٹ میں لگانا چاہتا ہوں۔ میں نے عینک کی سہیلی سے وعدہ کیا ہے۔"

رضیہ ملی' بولی "ذرا سنئے۔"

میں چلا گیا۔ ہم دونوں باہر گھاس پر بیٹھ گئے۔ اس نے کہا "اتنے دنوں سے میں پڑھائی میں مصروف رہی اور کچھ میرا جی اچھا نہیں تھا۔"

میں نے کہا "میں بھی اتنے دنوں بہت مصروف رہا۔ کچھ امتحان کی تیاری اور کچھ یہ ٹورنامنٹ کا سلسلہ۔"

میں نے لیگ پر بولنگ کا ذکر کیا اور کہ اسے یہ خیال کیونکر آیا۔ کہنے لگی "مجھے آپ کا ایک پہلا میچ یاد تھا' جس میں آپ نے اسی طرح وکٹیں لی تھیں۔"

میں نے پوچھا "کل کیا پروگرام ہے؟"

"کل چھٹی ہے۔"

"کل میرے ساتھ چلو گی؟ ایک جگہ پکنک ہے۔"

"اجازت لینی ہو گی' امی سے اور حکومت آپا سے۔"

"عینک کی سہیلی کا بہانہ کر دینا۔ آج تم دونوں کافی دیر اکٹھی رہی ہو۔"

"کوشش کروں گی۔"

"کوشش ووشش نہیں' وعدہ کرو۔"

شرما شرما کر بولی "اچھا"

میں شیطان کے ہوسٹل گیا۔ وہاں وہ وکٹ کیپر صاحب موجود تھے۔ کئی مرتبہ ننانوے ناٹ آؤٹ کا ذکر آیا۔ جب میں واپس آ رہا تھا تو مجھے ہر دیوار پر جلی الفاظ میں ننانوے ناٹ آؤٹ لکھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے ہوسٹل پہنچا تو بہت سے لڑکے ملے' سب نے یہی بار بار دہرایا۔ رات کو ٹائم پیس کی ٹک ٹک میں مجھے ننانوے ناٹ آؤٹ' ننانوے ناٹ آؤٹ سنائی دیا۔

رات بھر میرے کانوں میں کوئی چیخ چیخ کر کہتا رہا کہ ننانوے ناٹ آؤٹ' ننانوے ناٹ آؤٹ۔

اگلے روز بہت زیادہ ہجوم تھا' کیونکہ میچ بے حد دلچسپ ہو گیا تھا۔ مینا بازار سالم کا سالم وہاں موجود تھا۔ تالیوں اور نعروں کے شور میں جب ہم بلے لے کر نکلے تو میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

شیطان کی باری تھی۔ مخالف کپتان نے اپنے ایک فاسٹ بولر کو بلا لیا۔ اس کی پہلی گیند شیطان اور وکٹ کیپر دونوں کے اوپر سے گزر گئی۔ بائی کی چار رنز ہو گئیں۔ اگلی گیند پر پھر یہی ہوا۔ چار رنز اور ہو گئیں۔ انہوں نے فالتو فیلڈ لے لی۔ بقیہ گیندیں بھی شیطان اور وکٹ کیپر کے اوپر سے گزر گئیں' لیکن مزید سکور نہ ہوا۔

دوسری طرف سے انہوں نے ایک نیا بولر لگایا' جس کو میں اب تک نہیں کھیلا تھا۔ وہ اوور یونہی گزر گیا۔ اگلے اوور میں شیطان نے قلابازی سی کھائی اور ایک نہایت اعلیٰ درجے کا کٹ لگایا۔ سکور دو سو ستانوے ہو گیا اور وہیں اٹک کر رہ گیا۔ چند اوور پھر ویسے ہی خشک گزر گئے۔ ہجوم کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ ہر گیند کے ساتھ وہ شور و غل مچتا تھا' کہ خدا کی پناہ۔

ایک گیند پر شیطان نے گتکے کا ہاتھ دکھایا اور گیند لیگ کی طرف نکل گئی۔ ہم نے دوڑ کر دور رنز بنا لیں۔ سکور دو سو ننانوے ہو گیا۔ یعنی ہم نے سکور برابر کر دیا تھا۔ اب ہمیں جیتنے کے لئے صرف ایک رن کی ضرورت تھی۔ اور مجھے سینچری کرنے کے لئے بھی ایک ہی رن کی ضرورت تھی۔

اوور کی تین گیندیں ابھی باقی تھیں۔ ہر گیند پر شیطان نے بے تحاشا بلا گھمایا' لیکن کچھ نہ ہوا۔ ادھر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے میں عمر بھر سنچری نہیں کر سکتا۔ صدیاں گزر جائیں' سنچری نہیں ہو گی اور یہ ننانوے ناٹ آؤٹ ایک تہمت ہے' جو مجھ پر لگی ہوئی ہے۔ یہ ایک طوق ہے' جو میرے گلے میں لٹک رہا ہے۔ یہ ایک سینگ ہے' جو میرے سر میں اگا ہوا ہے۔ اور میں اس کم بخت ننانوے ناٹ آؤٹ سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکوں گا۔

اب میری باری آئی۔ وہی نیا بولر گیند پھینک رہا تھا' گز گز بھر کی بریک کراتا تھا۔ پہلی گیند روکی' دوسری' تیسری اور چوتھی۔ میں کسی پر سکور نہ کر سکا۔ اب آخری گیند تھی۔ ادھر گیند آئی' ادھر میں نے آنکھیں بند کرکے بلا گھمایا۔ خدا جانے گیند بلے سے لگی' پیڈوں سے لگی' جوتوں سے لگی' لگی بھی یا نہیں۔ بس گیند نکل گئی۔ ان کے دو کھلاڑی پیچھے بھاگے' ادھر میں بھاگا۔ دوسری طرف پہنچا تو شیطان وہیں کھڑے تھے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فیلڈر گیند کے پیچھے بھاگے جا رہے تھے۔ میں نے شیطان کو اس طرف آنے کو کہا' وہ وہیں کھڑے رہے۔ میں نے ان کو بازو سے پکڑ کر ہلایا' لیکن وہ نہیں ہلے۔ آخر میں ان کو زبردستی گھسیٹتا ہوا' اپنی وکٹ تک لایا اور وہاں پہنچ کر تابڑ توڑ واپس بھاگا۔ بس رن آؤٹ ہوتے ہوتے بچا۔

اور پھر غدر مچ گیا۔ زلزلہ آ گیا۔ زمین کی جگہ آسمان نے لے لی اور آسمان زمین کی جگہ آ گیا۔

بڈی بھاگا بھاگا آیا اور مجھے کندھے پر اٹھا کر شامیانے کی طرف دوڑا۔ بار بار وہ یہی کہہ رہا تھا "بوائے او بوائے' میں چیمپئن ہوں۔ میں نے ایک کپ جیتا ہے۔ اب میں

کرکٹ کا کھلاڑی ہوں۔"

شامیانے میں پہنچ کر پتہ چلا کہ ہم جیت بھی گئے تھے اور ایک رن سکور بھی ہو گئی تھی۔ لیکن یہ امر بحث طلب تھا کہ اسے میں نے سکور کیا تھا یا یہ محض بائی تھی۔ ایک امپائر کچھ کہتا تھا' دوسرا کچھ۔ کوئی کہتا کہ میں نے سنچری کی ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ محض ننانوے ناٹ آؤٹ ہوں۔

ادھر شیطان اس وکٹ کیپر اور عینک کی اس سہیلی کے ساتھ ایسے غائب ہوئے' جیسے کبھی یہاں تھے ہی نہیں۔

جب میں اور رضیہ چل رہے تھے' تو اس نے نہایت خوشنما کوٹ پہن رکھا تھا اور گلے میں وہ سادہ سا ہار تھا' جو میں نے اسے دیا تھا۔ وہ بولی "یہ کوٹ ابا نے سالگرہ پر دیا تھا۔ میں آج پہلی مرتبہ پہن رہی ہوں۔"

میں نے پوچھا "اب تک کیوں نہیں پہنا؟"

کہنے لگی "میں نے سوچا کہ کسی خاص دن پہنوں گی۔"

میں نے اسے سائیکل پر بیٹھنے کو کہا۔ بولی "کیریئر پر تو ٹوکری بندھی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا "آگے بیٹھ جاؤ۔"

بولی "اور جو کسی نے دیکھ لیا تو؟"

کہا "کسی نے دیکھ لیا تو میری خوش نصیبی پر رشک کرے گا۔"

وہ شرما کر آگے بیٹھ گئی' میرا چہرہ اس کے بالوں سے چھو رہا تھا۔

"یہ تم نے حکومت آپا کی خوشبو آج پھر چرائی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آپ نے بھی تو ان کا تیل لگا رکھا ہے۔" اس نے بتایا۔

ہم دونوں درست تھے۔

جب ہم دو تین میل آگے نکل آئے تو وہ پوچھنے لگی کہ پکنک کہاں ہو رہا ہے؟" میں نے بتایا کہ یہاں سے کچھ دور ایک پرانے باغ میں۔

اس نے پوچھا "پکنک میں اور کون کون ہوں گے؟"

میں نے کہا "صرف دو ہوں گے۔ میں اور تم"

جب ہم دونوں چاندنی میں سائیکل پر واپس آ رہے تھے تو رضیہ نے کہا "یہ میچ تو صرف آپ کا تھا اور وہ ہیٹ ٹرک خوب تھا۔ گیند پھینکتے ہوئے آپ بہت اچھے لگ رہے تھے۔"

"وہ ہیٹ ٹرک تو تمہارا تھا۔"

"اور وہ ننانوے ناٹ آؤٹ؟"

"نہیں' سو ناٹ آؤٹ" میں نے مچل کر کہا۔

"ہم تو ننانوے ناٹ آؤٹ ہی کہیں گے۔ بھلا کرکٹ میں کبھی ساتھیوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر بھی سکور کیا جاتا ہے۔ یہ سب عینک کی اس سہیلی کی برکت ہے۔"

"ذرا مسکراؤ"

وہ مسکرانے لگی۔

"اب ذرا منہ بنا کر بھی دکھاؤ۔" اس نے منہ بنا کر دکھایا۔ "تم مسکراتی ہوئی کہیں اچھی معلوم ہوتی ہو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہو گا کہ ہر وقت مسکراتی رہا کرو۔ آج آئینے میں دیکھنا۔"

"آپ آگے دیکھئے' بالکل سیدھ میں اور سائیکل سیدھی چلایئے۔ کہیں ٹکر نہ ہو جائے۔"

رضیہ کو چھوڑ کر میں نے شیطان کے ہوسٹل کا رخ کیا۔ راستے میں وہی رپورٹر مل گیا۔ کہنے لگا "مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ سنچری مکمل نہ کر سکے۔ میں نے اخبار میں آپ کے ننانوے ناٹ آؤٹ کی بڑی تعریف کی ہے۔"

"آپ سے یہ کس نے کہا؟"

"رونی صاحب نے۔"

"ابھی چھپا تو نہیں؟"

"نہیں"

میں نے اسے ساتھ لیا' راستے میں بڈی کو پکڑا' شیطان کے کمرے میں جا کر دیکھتے ہیں

تو ایک بڑے سے پلنگ پر کچھ حضرات رضائیاں اوڑھے کھانا کھا رہے ہیں۔ کچھ اور رضائیاں منگائی گئیں اور ہمیں بھی ساتھ بٹھا لیا گیا۔ بار بار شیطان سے اس آخری رن کے متعلق کہہ رہا تھا۔ میرا اصرار تھا کہ اسے میں نے سکور کیا ہے۔

URDU4U.COM

شیطان بولے "یار عجیب سپورٹس مین ہو تم بھی' صرف ایک رن کے لئے اتنے پریشان ہو رہے ہو۔ اچھا' تمہاری سنچری لکھوا دیں گے۔ بس! چلو بھئی' لکھ دو ان کی سنچری"

رپورٹر نے ہمارے سامنے بیٹھ کر سب کچھ درست کیا۔

بڈی کی سفارش پر میری تھوڑی سی تعریف بھی شامل کی گئی۔

اب سیکنڈ شو کا پروگرام بنا۔ شیطان نے وہ اوور کوٹ اتار دیا' جس کو پہن کر سردی زیادہ لگتی تھی۔ جو پہلے الٹوایا گیا تھا' پھر سیدھا کرایا گیا۔ سب نے رضائیاں اوڑھ لیں۔ چند حضرات ایک ایک رضائی میں دو دو ہو گئے۔ نوکر حقہ لے کر ساتھ ہو لیا۔

ذرا سی دیر میں ہم رنگ برنگی رضائیاں اوڑھے اتنی ٹھنڈ میں ٹھنڈی سڑک پر جا رہے تھے۔

تقسیم انعامات کا ذکر ہو رہا تھا۔ بڈی بار بار کہتا تھا "بوائے او بوائے' آج میں اپنے آپ کو ہیرو محسوس کر رہا ہوں۔ میں چیمپئن ہوں' میں نے کرکٹ کا ایک کپ جیتا ہے۔ ہاہ ہوووو"

اور جب شہر کے بہترین سینما میں رضائیاں اوڑھے پکچر دیکھ رہے تھے اور حقے کے کش لگا رہے تھے تو ہمارے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ نہ ہمیں چیمپئن سمجھ رہے تھے' نہ ہیرو۔ بلکہ غالباً ایسی خواتین سمجھ رہے تھے' جو حقہ پی رہی تھیں۔

○○○

• بلڈ پریشر

"میرا بلڈ پریشر" شیطان نے پھر شروع کیا۔

"درست ہے" مقصود گھوڑے نے پھر ان کی بات کاٹ دی۔ "ہوا یہ کہ آج صبح جو میں اٹھ کر دیکھتا ہوں تو کائنات میرے لئے سنوری ہوئی تھی۔ سورج میرے لئے ضرورت سے زیادہ چمک رہا تھا اور اپنی چمکیلی اور سنہری شعاعیں براہ راست میرے واسطے بھیج رہا تھا۔ باغیچے میں لا تعداد پھول محض میرے لئے کھلے تھے اور پرندے صرف اس امید پر سریلے گیت گا رہے تھے کہ میں سنوں گا۔ پھر ناشتے پر مجھے دنیا کی بہترین چاء ملی جو صرف میرے لئے دارجلنگ کی خوشنما پہاڑیوں سے چنی گئی تھی اور دنیا کی تندرست ترین گائے نے اپنے لخت جگر منظور نظر بچھڑے کو نظر انداز کرتے ہوئے میرے لئے دودھ کا ایک گلاس بھیجا۔ لاکھوں شہد کی مکھیاں مدتوں فقط میرے لئے محنت مشقت کرتی رہیں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کاوشوں کا نتیجہ شہد کی صورت میں میری خدمت میں پیش کیا جسے میں نے بڑی فراخدلی اور خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔"

ہم مقصود گھوڑے کے ہاں رات کھانے پر مدعو تھے۔ اس کا گھر ہمارے ہوسٹل سے سات میل دور تھا۔ وہاں سے رات کے دس بجے آخری بس چلتی تھی۔ ابھی ساڑھے نو بجے تھے اور کھانے کے بعد باتیں ہو رہی تھیں۔ قنوطیت اور رجائیت پر بحث ہو رہی تھی۔

"لیکن اس میں ایسی خاص بات کیا ہے؟ ہر شخص صبح اٹھ کر سورج کو دیکھتا ہے اور حسب توفیق ناشتہ کرتا ہے۔ تم تو خواہ مخواہ بڑھا چڑھا کر باتیں کر رہے ہو۔ بھلا آج تمہیں کون سی خوشخبری ملی ہے' جو اتنے مسرور ہو؟"

"آج تو مجھ سا خوش قسمت تمہیں آس پاس نہیں ملے گا۔ آج میں نے تیرہ ہزار مرتبہ سانس لیا ہے۔ آج میرا دل ستاون ہزار مرتبہ دھڑکا ہے۔ آج میں طرح طرح کے حادثوں سے محفوظ رہا ہوں۔ آج میں کسی موٹر کے نیچے نہیں آیا۔ آج مجھ پر کوئی درخت

نہیں آن گرا۔ آج میں کسی شے میں گرفتار نہیں کیا گیا۔ آج کسی نے میری جیب نہیں کتری۔ آج کسی لفنگے نے مجھے محض تفریحاً پیٹا نہیں۔ آج میں کسی پر عاشق نہیں ہوا' اور آج۔"

URDU4U.COM

"وہ اور بات ہے۔" گیدی صاحب بولے "لیکن حساس شخص کبھی بھی مسرور نہیں رہ سکتا۔ میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ رجائیت پسند وہ خوش فکرا ہے' جو شیر سے ڈر کر درخت پر چڑھ جائے اور جبکہ شیر نیچے کھڑا اس کا انتظار کر رہا ہو' وہ آس پاس کے نظاروں سے خوب لطف اندوز ہوتا رہے۔"

"دیکھئے' میں آپ کو مثال دوں۔ اگر ہمارے سامنے پانی کا آدھا گلاس رکھا ہو' تو میں اس بات پر خوش ہوں گا کہ شکر ہے کہ اس میں پانی تو ہے اور آپ یہ سوچ کر غمگین ہوں گے کہ یہ آدھا خالی کیوں ہے؟" مقصود گھوڑے نے کہا۔

"دراصل ہم پریشان اس لئے ہوتے ہیں کہ آتی ہوئی مصیبت کو جلد از جلد رخصت کرنے کی بجائے اس کا استقبال کرتے ہیں اور اسے بیٹھنے کو کرسی پیش کرتے ہیں اور پھر ہماری توقعات بیشمار ہیں اور ہم بے حد خود غرض ہیں۔ چند سال پہلے میں نے باغیچہ لگا رکھا تھا تو ہر رات کو کچھ اس قسم کی دعا مانگا کرتا کہ اے خدا آج رات بالکل ہوا نہ چلے۔ اوس اگر پڑے تو صرف گلاب کے تختوں پر پڑے۔ جس کونے میں خشک بیج ہیں' اس طرف کچھ نہ ہو۔ کل گیندے کے پھولوں کو خوب دھوپ لگے' لیکن ذخیرے پر دھوپ قدرے ہلکی ہو۔ اس کے بعد سہ پہر کو معمولی سی بارش ہو' تا کہ پھلدار پودوں کو پانی مل جائے۔ لیکن ذخیرے پر بارش نہ ہو اور....." بڈی اپنا فلسفہ بیان کر رہا تھا۔

"حضرات میرا بلڈ پریشر۔" شیطان بولے۔

"درست ہے روفی۔" مقصود گھوڑے نے پھر بات کاٹی۔ "بات دراصل یہ ہے کہ....."

"حضرات سنئے۔" شیطان نے داہنا ہاتھ اٹھا کر زور سے نعرہ لگایا۔ "دراصل بات یہ ہے کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ کب ایک اچھا بھلا مسخرہ قنوطی بن جائے گا اور کب ایک

روٹا پیٹتا قنوطی چھلانگیں مارنے لگے گا۔ اس لئے یہ بحث ہی فضول ہے۔ اسی قسم کا ایک قصہ میں سنانا چاہتا ہوں۔ جس کا تعلق نہ صرف اس موضوع سے ہے بلکہ میرے بلڈ پریشر سے بھی ہے۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ تقریباً سال بھر سے میں قنوطی رہا ہوں۔ بالکل گیا گزرا قنوطی اور میرا بلڈ پریشر دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا۔ میں صبح سے شام تک فکر کرتا رہتا اور شام سے صبح تک۔ اگر کوئی فکر کرنے کی بات ہوتی' تب بھی فکر کرتا اور جب ایسی کوئی بات نہیں ہوتی' تب اور بھی فکر کرتا کہ ایسی بات کیوں نہیں ہے۔ پچھلے اتوار کو ڈاکٹر صاحب نے میرا بلڈ پریشر لیا تھا اور وہ بہت گھبرائے تھے۔ کیونکہ بلڈ پریشر کا گراف اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ بیس بائیس سال کی عمر میں بلڈ پریشر کا بڑھنا نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا فکر تھا جس نے میری زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ نہ مجھے دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی تھی اور نہ جینے کی کوئی تمنا تھی۔ میرا یہی خیال تھا کہ یہ بیزاری بڑھتی جائے گی اور میرا بلڈ پریشر بھی بڑھتا جائے گا۔ لیکن دفعۃً سب کچھ بدل گیا۔ حالات بدل گئے۔ دنیا بدل گئی۔ کل صبح سے میری زندگی میں حیرت انگیز تبدیلیاں آ گئیں۔ مجھے اتنی امیدیں اور مسرتیں مل گئیں کہ اب یہی جی چاہتا ہے کہ ناچنے لگوں۔"

"بھئی خیال رکھنا' کہیں بس نہ نکل جائے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ابھی دیر ہے' میں صرف چند منٹ لوں گا۔" شیطان بولے "ہاں تو ہوا یوں کہ کل صبح یونہی مسکراہٹ کی لہریں میرے چہرے پر دوڑ گئی۔ میں کپڑے پہننے میں ہمیشہ لاپروائی سے کام لیا کرتا تھا۔ پتلون کسی سوٹ کی ہوتی تو کوٹ کسی سوٹ کا اور ٹائی کسی رنگ کی ہوتی۔ لیکن کل صبح میں نے نہایت اچھا لباس پہنا' تمام کپڑے ایک دوسرے کے مطابق تھے۔ کالج جاتے وقت میں نے ایک عجیب بات محسوس کی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اس سڑک کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کئی نئی عمارتیں بھی دیکھیں۔ بہت سی نئی دکانیں اور نئے اشتہار نظر آئے۔ کئی نئے چہرے دکھائی دیئے۔ شاید تمہیں

یاد ہو گا کہ میں نے ہمیشہ سائنس کی برائی کی ہے' اور کئی مرتبہ یہ بھی کہا ہے کہ شاید میں سائنس پڑھنا چھوڑ دوں گا' کیونکہ یہ مضمون مجھے بے حد خشک اور مشکل معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کل مجھے محسوس ہوا کہ لیکچر روم میں جو بڑے چارٹ آویزاں ہیں' وہ بالکل آسان ہیں۔ پروفیسر صاحب نے جو کچھ بورڈ پر لکھا' وہ نہ صرف آسان ہی تھا' بلکہ دلچسپ بھی تھا۔ پھر میں نے اپنی ہم جماعت مس ہدہد کو غور سے دیکھا۔ سال بھر کے بعد مجھے دفعتہً معلوم ہوا کہ اس کی شکل بالکل معمولی ہے' بلکہ بالکل ہی معمولی ہے اور صبیحہ کے مقابلے میں تو وہ کچھ بھی نہیں۔ میرے خیال میں مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ جانے اس کا خیال کیوں مجھ پر اتنے دنوں سوار رہا تھا۔ میں نے دل کھول کر اپنے اوپر لعنت بھیجی۔ آئندہ اگر کبھی مجھے اس سے باتیں کرتے پاؤ' تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔ خیر! اس کے بعد پریکٹیکل شروع ہوا۔ جو آلے اور اوزار مجھے زہر دکھائی دیتے تھے وہ کچھ اتنے برے معلوم نہیں ہو رہے تھے۔ پہلے تو میں پریکٹیکل خود کرتا ہی نہیں تھا۔ کل میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے کیا اور مجھے سائنس اس قدر دلچسپ معلوم ہوئی کہ اب میرا ارادہ ہے کہ ایم ایس سی کرکے ریسرچ کروں۔ دوپہر کو کالج سے واپس آتے وقت دور میں نے ایک تانگہ دیکھا' جس میں صبیحہ بیٹھی تھی۔"

"صبیحہ بیٹھی تھی! سچ مچ؟" کئی حضرات نے چونک کر پوچھا۔

"بھئی ذرا خیال رکھنا' کہیں بس نہ نکل جائے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں سچ مچ صبیحہ تھی۔ اس سڑک سے وہ ہر روز تانگے میں گزرتی تھی' لیکن میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ نہ جانے وہ کون سی طاقت تھی جس نے کل مجھے اس کی جانب متوجہ کر دیا۔ ذرا سی دیر میں میں سائیکل پر اس کے تانگے کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ میں نے سلام کیا' جس کا جواب ملا۔ کل مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ صبیحہ نہایت ہی پیاری لڑکی ہے اور اس سے بہتر آنکھیں کسی کی نہیں ہو سکتیں۔ دفعتہً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں صبیحہ پر دوبارہ عاشق ہو رہا ہوں۔ ہوسٹل پہنچ کر میں نے آئینہ دیکھا۔ کبھی

میرا چہرہ ترچھا نظر آتا تھا' کبھی لمبوترا اور کبھی بالکل گول دائرے کی طرح۔ یہ آئینے کا نقص تھا۔ غالباً اسی سستے آئینے کی وجہ سے مجھے اس قدر احساس کمتری تھا۔ لطف یہ کہ مجھے پہلے اس کا خیال تک نہیں آیا۔

URDU4U.COM

کل میں فوراً بازار گیا اور ایک اچھا سا آئینہ خریدا۔ اس میں اپنا چہرہ غور سے دیکھتا ہوں' تو زمین آسمان کا فرق تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ میں اتنا برا نہیں ہوں۔ پھر شام کو میرا میچ تھا۔ میں گھبرا رہا تھا تو صرف اس بات سے کہ اگر میچ لمبا ہو گیا اور اندھیرا ہو گیا تو میں ضرور ہار جاؤں گا۔ کیونکہ روشنی کم ہوتے ہی کھیل میں میری دلچسپی کم ہوتی جاتی تھی۔ کل شام کو میچ واقعی لمبا ہو گیا اور آخری سیٹ ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ لیکن میں اسی دلچسپی اور تندہی سے کھیل رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب میں نے میچ جیتا ہے تو باقاعدہ تارے نکلے ہوئے تھے۔ تعجب ہے کہ میں نے پہلی مرتبہ روشنی کی کمی کو محسوس نہیں کیا اور ایسے مخالف کو ہرایا' جس نے کئی سال سے میری زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ کھیل کے بعد میں نے صبیحہ کے گھر کا رخ کیا۔

"اور..."

"بھی وہ ذرا بس کہیں..." میں نے نہایت دھیمی آواز میں کہا۔

"بس میں دیر ہے۔ وہاں صبیحہ کے ابا ملے' اس کی امی ملیں۔ پہلے کل رات میں نے پہلی مرتبہ ان کی آنکھوں میں شفقت جھلکتی دیکھی۔ وہ میری جانب بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میری نظریں انگیٹھی پر رکھی ہوئی تصویروں کی طرف چلی گئیں' جہاں کنبے کے افراد کی تصویریں رکھی تھیں۔ وہاں ایک تصویر میری بھی تھی۔ یہ تصویر مجھے پہلے کیوں نہیں دکھائی دی؟ اس کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ پھر مجھے کھانے پر ٹھہرا لیا گیا۔ دستر خوان پر صبیحہ ذرا دور بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا' بری طرح شرما رہا تھی۔ میں رات گئے لوٹا' لیکن کوٹھی کے دروازے پر ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اوپر صبیحہ کے کمرے میں روشنی تھی اور کوئی دریچے میں کھڑا تھا۔ اس سے

پہلے بھی میں کتنی مرتبہ رات گئے ان کے ہاں سے لوٹا تھا۔ صبیحہ کے کمرے میں روشنی بھی ہوا کرتی تھی۔ اور شاید وہ دریچے سے مجھے دیکھا بھی کرتی' لیکن کل رات پہلی مرتبہ مجھے اس کا احساس ہوا۔ اور جب میں واپس لوٹا تو چاند مسکرا رہا تھا۔ تارے مسکرا رہے تھے۔ دنیا مسکرا رہی تھی۔ میرا رواں رواں مسرت سے ناچ رہا تھا۔ میرے خیال میں اتنے مختصر عرصے میں اتنی ساری خوشگوار تبدیلیاں کسی کی زندگی میں نہیں آئی ہوں گی۔ پرسوں میں ایک چڑچڑا اور بیزار لڑکا تھا' جس کی زندگی کا مقصد صرف خودکشی تھا۔ جس کے بلڈ پریشر کا گراف دن بہ دن اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن کل قسمت کچھ ایسی مہربان ہوئی کہ سب کچھ بدل گیا۔ میرے چاروں طرف جو دھند سی چھائی رہتی تھی' وہ یک لخت دور ہو گئی۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دینے لگیں' جن سے میں پہلے آشنا نہیں تھا۔ یہی کائنات جو بے حد دھندلی' بے معنی اور دور دور تک معلوم ہوتی تھی' دفعتہ اپنی تمام رنگینیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ بالکل قریب آ گئی۔"

"اور تمہارا بلڈ پریشر؟" کسی نے پوچھا۔

"ہاں! میرا بلڈ پریشر' آج صبح میں ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے میرا معائنہ کیا اور حیران رہ گئے۔ میرا بلڈ پریشر اس قدر گر چکا تھا کہ نارمل سے بھی نیچے تھا۔"

"کمال ہے۔"

"حد ہو گئی۔"

"لیکن روفی بلا وجہ تو یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہو گا۔"

"نہیں کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی۔" شیطان بولے۔

"پھر بھی شاید کچھ ہوا ہو۔ پرسوں یا کل؟"

"کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہوئی۔ فقط میں نے ذرا۔"

"ہاں ہاں' فقط کیا؟" ہم سب نے پوچھا۔

"فقط میں نے اپنی عینک کے شیشے بدلوائے تھے۔" انہوں نے اپنی عینک اتار کر کہا۔ "پچھلے

ہفتے میں نے کافی عرصے کے بعد دوبارہ اپنی بینائی کا معائنہ کرایا تھا اور ڈاکٹر صاحب نے نئے شیشے تجویز کئے تھے۔ یہ نئی عینک میں نے کل صبح سے لگانی شروع کی ہے۔"

URDU4U.COM

ہم سب لاحول پڑھتے ہوئے اٹھے اور بڑی پھرتی سے سڑک پر پہنچے۔ آخری بس نکل چکی تھی۔

جب ہم سات میل لمبی سڑک پر پیدل ہوسٹل کی طرف آ رہے تھے' تو ہمارے بلڈ پریشر کا گراف ماؤنٹ ایورسٹ سے بھی اونچا پہنچ چکا تھا۔